ان فی ذلک لعبرۃ لاولی الابصار

خانجہاں لودی

کے

سبق آموز و بصیرت افروز اور نہایت مستند حالاتِ زندگی

مصنفہ

اکبر شاہ خان نجیب آبادی

خان منیجر عبرت نے نجیب آباد سے شائع کیا

ت فی جلد ۶ر علاوہ محصول ڈاک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

دیباچہ

کون نہیں جانتا کہ ملک میں لاکھوں نوجوانوں کی زندگیاں مخربِ اخلاق ناولوں کے مطالعہ نے برباد کر دیں اور کس کو نہیں معلوم کہ مسلمانوں کی تاریخ کو مسخ اور برباد کرنے کے لیے کس قدر شیطانی طاقتیں اور طاغوتی تدبیریں مصروفِ عمل ہیں۔ جس کے نتیجے میں مسلمانوں کی قوم سے عزم راسخ اور ہمتِ مردانہ کی صفاتِ حسنہ بتدریج رخصت ہو رہی ہیں۔ جبکہ قوموں کے مستقبل کا ہمیشہ اُن کی ماضی سے پیدا ہونا مُسلّم ہے تو مسلمانوں کی قوم کو بھی اپنے مستقبل کے لیے اپنی ماضی کی طرف متوجہ ہونا یعنی اپنی گزشتہ تاریخ سے باخبر ہونا ازبس ضروری ہے۔
اس وقت ایک مشہور تاریخی انسان (خان جہاں لودی) کی زندگی کے حالات جو ملک کے مشہور تاریخ داں مولانا اکبر شاہ خاں صاحب قبلہ مدظلہ کے رشحات قلم کا نتیجہ ہیں قبلہ ممدوح کی اجازت سے چھپوا کر رسالہ کی شکل میں پیش کر رہا ہوں اور قارئین کرام سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ یہ مستند تاریخی رسالہ جھوٹے اور فرضی ناولوں سے کچھ کم دلچسپ تو نہیں؟

محمد ایوب خاں منیجر عبرت
نجیب آباد (یو۔پی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خان جہاں لودی

تمہید

محمد بن قاسم علیہ الرحمہ کی فتوحاتِ ہند سے لے کر سلطان شہاب الدین غوریؒ کی وفات تک ہندوستان کے شمالی و مغربی صوبے اکثر مسلمانوں کے زیرِ حکومت رہے لیکن ہندوستان میں مسلمانوں کی ایک الگ مستقل سلطنت قطب الدین ایبک کے زمانے سے شمار کی جاتی ہے۔ قطب الدین ایبک، شمس الدین التمش، غیاث الدین بلبن اور اُن کی اولاد کا دورِ حکومت ختم ہو کر خاندانِ خلجی ہندوستان کی فرماں روائی پر فائز ہوا۔ خلجیوں کے بعد تغلقوں کی شہنشاہی کا نمبر آیا۔ ان تینوں فرمانروا خاندانوں کے عہدِ سلطنت میں وزیرِ اعظم کو آلغ خاں کے خطاب سے منتخب کیا جاتا تھا۔ الغ خاں ترکی زبان کا لفظ ہے جس کا ترجمہ

سردارِ اعظم، خان جہاں، خان خاناں، خانِ اعظم، مسند عالی، حضرتِ اعلیٰ وغیرہ الفاظ سے کیا جا سکتا ہے۔ حملۂ تیمور نے جب خاندان تغلق کا خاتمہ کرکے ایک نئے مجہول النسب خاندان کو فرمانروائی کا موقع دیا تو اس خاندان کے مورثِ اعلیٰ خضر خاں نے اپنے آپ کو تیمور کا وائسرائے قرار دیکر اپنا لقب مسندِ عالی تجویز کیا۔

مسند عالی خضر خاں کے بعد اُس کے بیٹے نے ایک خود مختار اور مطلق العنان پادشاہ کی حیثیت سے تختِ سلطنت پر جلوس کیا۔ لیکن الغ خاں کا ترکی خطاب پھر ہندوستان میں نہیں سُنا گیا۔ اس خاندان کے بعد لودیوں کی حکومت شروع ہوئی تو ایک ہی وقت میں کئی کئی شخصوں کو مسندعالی، خان خاناں اور خان جہاں کے خطابات ملے۔ سکندر لودی اور ابراہیم لودی کے عہد حکومت میں کئی خان خاناں، کئی مسند عالی، اور کئی خان جہاں تھے۔

خان جہاں کا خطاب تغلقوں کے زمانے سے شروع ہوکر شاہ جہاں کے عہدِ حکومت تک رائج اور باقی رہا۔ یہ خطاب مغلوں کے عہد حکومت میں اگرچہ اعلیٰ درجہ کے خطابوں میں شامل تھا لیکن وزیر اعظم یا نائب السلطنت کا مفہوم اس میں باقی نہ رہا تھا۔ وزیر اعظم کو خان خاناں، امیر الامرار اور وکیل سلطنت وغیرہ ناموں سے یاد

کیا جاتا تھا۔ جہانگیر نے پیر خاں ابن دولت خاں کو خان جہاں کا خطاب دیا اور ہندوستان کی تاریخ میں یہی جہانگیری خان جہاں سب سے زیادہ مشہور اور خان جہاں لودی کے نام سے معروف ہے۔ کسی دوسرے خان جہاں کی شہرت اس جہانگیری خان جہاں کی شہرت کے پاسنگ بھی نہیں۔ علم تاریخ کے طلبا کی مجلس میں جب کبھی خان جہاں کا لفظ کسی کی زبان پر آتا ہے تو اس سے سوائے اس جہانگیری خان جہاں کے کوئی دوسرا شخص مراد نہیں لیا جاتا۔ لیکن باوجود اس شہرت کے بہت ہی تھوڑے لوگ ہونگے جو خان جہاں کے تفصیلی حالات سے واقف اور اُس کے متعلق بہت سی غلط فہمیوں میں مبتلا نہ ہوں۔ میرا جی چاہتا ہے کہ آج وہ قرضہ جو خان جہاں کا مجھ پر واجب ہے ادا کر دوں اور اپنے دوستوں کو جہاں تک ممکن ہو، خان جہاں لودی کی اصل تصویر دکھا دوں۔ عہد آخر یعنی ہمارے زمانے کے بعض مورخین نے خان جہاں لودی کی نسبت یہ لکھ کر کہ وہ ایک مجہول النسب اور کسی رذیل قوم کا آدمی تھا، اپنی ناواقفیت اور حماقت کا اظہار کیا ہے۔ یہی سبب ہے کہ میں آج تک اپنے آپ کو خان جہاں لودی کا مفروض سمجھتا رہا۔ اور یہی سبب ہے کہ

اس وقت سب سے پہلے خان جہاں کے خاندانی حالات پر ایک سرسری نظر ڈالتا ہوں۔

قبیلۂ لودی

جس زمانے میں سامانی سلطنت کے دربار بخارا کی ماتحتی سے جدا ہوکر افغانستان میں الپتگین ایک الگ خودمختار حکومت قائم کر رہا تھا اُس زمانے میں قرامطۂ بحرین کے منّاد اپنا کام افغانستان میں شروع کر چکے تھے۔ مصر فاطمیوں یعنی عبیدیوں کے قبضے میں آچکا تھا بغداد اور بغداد کے عباسی خلفاء پر دیلمی خاندان مستولی تھا۔ ایسی حالت میں کوہ سلیمان اور افغانستان کے قبائل میں قرامطہ کے ملحدانہ خیالات اور اباحتی مذہب کا شایع ہوجانا کوئی تعجب کی بات نہ تھی۔ سبکتگین کی روزافزوں طاقت سے خائف ہوکر لاہور کی ہندو سلطنت کا حمید خاں لودی کے ملتان پر قابض و متصرف ہوجانے کو جائز رکھنا اور حمید خاں کے ساتھ تعلقات دوستی پیدا کرکے اُس کو سبکتگین کی مخالفت پر اُبھارنا تعجب خیز نہ تھا۔ ملتان و منصورہ کی اسلامی ریاستیں چند ہی روز پہلے قرامطہ کی شرارتوں سے برباد ہوچکی تھیں۔ ملتان کو قرامطہ نے اپنا تبلیغی مرکز بناکر ایک طرف ہندوؤں اور دوسری

طرف افغانوں کو متاثر و معمول بنانے کا سلسلہ جاری کر رکھا تھا۔

حمید خاں لودی جو سلسلۂ کوہ سلیمان سے آکر ملتان پر قابض ہوا تھا ایک طرف قرامطہ اور دوسری طرف لاہور کے راجہ جے پال کی امیدگاہ اور غالباً افغانستان کی لودی قوم کا سب سے پہلا شخص تھا جس کا نام مورخین نے حکمرانوں کی فہرست میں لکھا ہے۔ حمید خاں لودی کے پوتے ابو الفتح لودی فرمانروائے ملتان نے سلطان محمود غزنوی کے ہاتھ پر توبہ اور قرامطہ کے الحادی عقائد و اعمال کو ترک کرکے کتاب وسنت کی پیروی اختیار کی لیکن بعض سیاسی پیچیدگیوں نے اس لودی خاندان کی حکومت کا جلدی خاتمہ کر دیا۔ ابو الفتح لودی تو سلطان محمود غزنوی کے قید خانے سے عالم جاودانی کی طرف رخصت ہوا لیکن اُس کی اولاد اور اُس کے رشتہ داروں اور اُس کے ہم قوموں پر سلطان کی مہربانیاں ہمیشہ مبذول و منعطف رہیں۔ چنانچہ ملک سلیمان خاں لودی کو سلطان نے اپنے زمرۂ امراء میں شامل کرکے ہندوستان کی معرکہ آرائیوں میں اُس سے خوب کام لیا۔ حملۂ سومنات میں سلیمان خاں لودی بارہ ہزار سواروں کا سپہ سالار اور سلطان خاں کا سب سے زیادہ معتمد جرنیل تھا۔ جو تین سال تک سلطان کے ساتھ سومنات کے

علاقے میں خدمات شائستہ بجالاتا رہا۔ سلطان شہاب الدین غوری کی حملہ آور فوج میں بھی افاغنہ کے دوسرے قبائل کے ساتھ لودی قبیلہ کے اکثر افراد موجود تھے۔ بختیار خلجی کے ساتھ دریائے برہم پتر کو عبور کر کے آسام و تبّت پر حملہ کرنے والے مجاہدین میں بھی یہ لوگ شامل تھے۔ ۷۳۹ھ میں ملک بہرام خاں صوبہ دار سُنارگاؤں کا انتقال ہوا تو اُس کے سپہ سالار ملک فخرالدین لودی نے سُنارگاؤں پر قبضہ کر کے خود حکومت شروع کی۔ قدر خاں حاکم لکھنوتی نے مقابلہ کیا کئی معرکوں کے بعد قدر خاں کام آیا اور فخرالدین تمام ملک بنگال کا فرماں روا بن گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ سلطان محمد تغلق ہفت سالہ قحط کے شدائد کا مقابلہ کر رہا تھا اور جلد بنگالہ کی طرف نہیں جا سکتا تھا۔ آخر ۷۴۰ھ میں سلطان محمد تغلق، حاجی الیاس کی استدعا پر بنگال پہنچا۔ ملک فخرالدین کو گرفتار کر کے قتل کیا اور اُس کے دشمن حاجی الیاس کو بنگالہ کا حاکم بنا کر واپس آیا۔

ملک فخرالدین کا داماد ظفر خاں لودی جو حمید خاں لودی مذکور حاکم ملتان کی نسل سے تھا ملک فخرالدین کے گرفتار و مقتول ہونے کے بعد خلیج بنگال کے ساحل کی طرف بھاگا۔ وہاں سے جہاز میں سوار ہو کر جنوبی ہند کا طواف کرتا ہوا بہ ہزار دقّت و پریشانی

بندر دیبل (کراچی) پہنچ کر اپنے وطن کوہ سلیمان میں واپس آیا۔ یہاں اُس نے سلطان محمد تغلق کے فوت ہونے اور سلطان فیروز تغلق کے بادشاہ بننے کی خبر سننے کے بعد جب یہ سُنا کہ حاجی الیاس پر فیروز تغلق نے چڑھائی کی ہے تو ایک جمعیت فراہم کر کے اپنے وطن سے چلا اور ۷۵۵ھ میں جبکہ فیروز تغلق بنگالہ کے سفر سے ناکام واپس آچکا تھا دہلی پہنچ کر سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اپنے سابقہ حقوق اور حاجی الیاس کی شکایات زبان پر لا کر ہر قسم کی جانفشانی وجاں فروشی پر آمادگی ظاہر کی۔ سلطان نے بھی ظفر خاں کو اپنی مہربانی وعنایت کا یقین دلایا۔ شمس سراج عفیف سلطان فیروز کے الفاظ کو اس طرح روایت کرتا ہے کہ

"آں شہریار مراحم شاہی وعواطف پادشاہی ظفر خاں را بسیار پرسیدہ وبغایت نواختہ فرمان فرمود کہ ظفر خاں خاطر جمع دارد اندیشہ را بسوے خود نگمارد اگرچہ شدائد بسیار ومکائد بے شمار دیدی ورا ہہائے مخالف وبیداہاے مخوف پیمودی المنۃ للہ بمقصود رسیدی ہرچہ درشناءگانوں داشتی اضعاف آں بتو مفوض خواہد شد۔"

چنانچہ ظفر خاں کو سلطان نے زمرۂ امراء میں شامل کیا۔ وہ اوّل

نائب وزیر پھر ۷۶۹ھ میں صوبہ گجرات کا حاکم مقرر ہوا۔ ظفر خاں لودی
جب ۷۷۵ھ میں فوت ہوا تو اُس کے بیٹے دریا خاں لودی کو سلطان
فیروز تغلق نے ظفر خاں کا خطاب دیکر باپ کی جگہ گجرات کی حکومت
پر مامور کیا۔ تین سال کے بعد ۷۷۸ھ میں دریا خاں لودی المخاطب
ظفر خاں ثانی حاکم گجرات کو صوبہ کی حکومت پر اس لیے تبدیل کیا
گیا کہ یہاں کے سرکشوں اور باغیوں کو کوئی دوسرا سردار قابو میں
نہیں لا سکا تھا۔ خان جہاں ثانی ایک ہندو زادہ فیروز تغلق کا
وزیر اعظم تھا اُس نے خاندان شاہی کے خلاف ایک سازش میں
شریک ہو کر ظفر خاں ثانی کو جو خاندان شاہی اور سلطان کے بیٹے
ناصر الدین محمد شاہ تغلق کا طرفدار تھا دھوکے سے ۷۸۹ھ میں قتل
کرا دیا۔ یہی قتل خاندان تغلق کے زوال کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔
ظفر خاں ثانی نے چار بیٹے چھوڑے تھے جن کے نام ملّو خاں۔
سارنگ خاں، عادل خاں، محمود خاں تھے۔ جب تیمور نے ۸۰۱ھ
میں ہندوستان پر حملہ کیا تو سارنگ خاں نے تیمور کے پوتے
پیر محمد کا ملتان میں مقابلہ کیا اور ایک خونریز جنگ کے بعد بڑی
بہادری سے لڑ کر مارا گیا۔ لاہور میں عادل خاں نے اپنی مٹھی بھر
جمعیت سے تیمور کی ۹۲ ہزار جرار فوج کا مقابلہ کیا۔ اگرچہ کامیاب

نہ ہو سکا مگر دوست و دشمن دونوں سے اپنی شجاعت و بہادری
کا اقرار کرا لیا۔ تیمور جب دہلی پہنچا تو بڑے بھائی ملّو خاں لودی
المخاطب بہ اقبال خاں نے چالیس ہزار کی بھیڑ بھاڑ لیکر جس میں
تجربہ کار جنگجو کم اور دہلی کے ناتجربہ کار شہری لوگ زیادہ تھے تیمور
کی ایک لاکھ بائیس ہزار فوج کا مقابلہ کیا (چونکہ پیر محمد کی فوج بھی
جنگ لاہور کے بعد شامل ہو گئی تھی اس لیے اب تیموری لشکر کی
تعداد ایک لاکھ بائیس ہزار تھی) غرض ہندوستان میں تیمور کو
ظفر خاں لودی ہی کی اولاد سے بڑی بڑی لڑائیاں لڑنی پڑیں
تیمور کے بعد ملّو خاں لودی المخاطب بہ اقبال خاں نے دہلی میں
آ کر پھر سلطنت اسلامیہ قائم کی اور خضر خاں مسند عالی کو جو سارنگ خاں
کا رگیدا ہوا میوات کے جنگلوں میں چھپا چھپا پھر رہا تھا اور تیمور
کے آنے پر اس کی خدمت میں پہنچکر ہندوستان کی سند حکومت
تیمور سے حاصل کر چکا تھا دہلی پر قابض نہ ہونے دیا۔ آخر سات
آٹھ سال کی فرماں روائی اور خود مختارانہ حکومت کے بعد
۱۹۔ جمادی الاول ۸۰۸ھ کو خضر خاں اور گجرات کی متحدہ فوجوں
سے ملتان کے قریب لڑتا ہوا اپنے ایک ہم قوم ملک شاہ لودی
ابن بہرام خاں لودی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ خضر خاں نے ملک شاہ لودی

کو اس برادرکشی کے صلہ میں اسلام خاں کا خطاب دیا۔ ملتان میں خضر خاں کی حکومت مستقل ہو گئی لیکن دہلی پر پھر بھی قابض نہ ہو سکا۔ دہلی میں اقبال خاں لودی کے بھتیجے دولت خاں ابن محمود خاں لودی نے سلطنت کو سنبھالا اور آٹھ نو سال تک ایک طرف خضر خاں حاکم ملتان دوسری طرف ابراہیم شاہ شرقی پادشاہ جونپور کا کامیاب مقابلہ کرتا اور دہلی کو دونوں کی بار بار کی یورشوں سے بچاتا اور دشمنوں کو شکست دے دیکر بھگاتا رہا۔ ۸۱۵ھ میں سلطان ناصر الدین محمود جو شاہ شطرنج سے زیادہ کوئی حیثیت نہ رکھتا تھا فوت ہوا تو دہلی کے تمام امرا و شرفا و علما نے متفقہ طور پر دولت خاں لودی کو تخت سلطنت پر جلوس کرنے اور پادشاہ بننے پر مجبور کیا۔ اس طرح ۸۱۷ھ تک دولت خاں لودی سلطان دہلی رہا۔ اس کو مورخین دولت خاں اول کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ آخر خضر خاں دہلی پر قابض ہونے اور دولت خاں اول کو قتل کرانے میں کامیاب ہو گیا۔ خضر خاں اور اس کی اولاد کے عہد حکومت میں ملک شاہ لودی المخاطب بہ اسلام خاں نے خوب ترقی کی۔ اسی اسلام خاں لودی کا بھتیجا بہلول خاں لودی

ہندوستان کا بادشاہ ہوا۔ جس کے پوتے ابراہیم خاں لودی کے عہد حکومت میں دولت خاں اول کا پوتا یا پڑپوتا دولت خاں دوم پنجاب کا صوبہ دار تھا جس نے بابر کو ہندوستان پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دی۔ یہ دولت خاں دوم سلطان سکندر لودی کے زمانے میں پنجاب کا گورنر مقرر ہوا تھا۔ اُس کے یک جدّی رشتہ دار ملک احمد لودی کے چاروں بیٹے دولت خاں، نصرت خاں، پہاڑ خاں، موسیٰ خاں، لاہور آئے اور دولت خاں دوم نے ان کو مناسب جاگیریں عطا کر کے نصرت خاں ابن ملک احمد لودی کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کر دی۔

خان جہاں لودی کا خاندان

نصرت خاں کے بھائی دولت خاں کو ایک دن دولت خاں دوم صوبہ دار پنجاب کی مجلس میں کسی شخص نے دولت خاں کہکر پکارا تو دولت خاں صوبہ دار اور دولت خاں ابن ملک احمد دونوں اُس طرف متوجہ ہوئے اس پر دولت خاں صوبہ دار نے کہا کہ برادرم دولت خاں یا تو میں اپنا نام تبدیل کروں یا تم اپنا نام تبدیل کر دو اُس نے جواباً عرض کیا کہ آپ کو

اپنا نام مبارک ہو میرا دوسرا نام تجویز فرما دیجیے۔ چنانچہ دولت خاں دوم صوبہ دار پنجاب نے دولت خاں کا نام شیر خاں تجویز کیا۔ اور پھر وہ شیر خاں ہی کے نام سے موسوم رہا۔ جب دولت خاں لودی حاکم پنجاب اور ابراہیم خاں لودی سلطان ہندوستان دونوں کی عمر و دولت ختم ہو گئی تو شیر خاں، نصرت خاں اور بہادر خاں تینوں بھائی پنجاب سے سفر کرکے صوبۂ بہار میں پہنچے جہاں پٹھانوں کی سلطنت و حکومت ابھی باقی تھی۔ پٹنہ میں محمود خاں ابن سلطان سکندر لودی برادر سلطان ابراہیم لودی کو امرائے افاغنہ نے پادشاہ بنایا تو دولت خاں المعروف بہ شیر خاں بھی اس جدید سلطان کی فوج میں بھرتی ہوا۔ فرید خاں الملقب بہ شیر خاں بھی جو بعد میں ہندوستان کا شہنشاہ ہوا سلطان محمود خاں لودی کے ساتھ جونپور کی طرف گیا تھا۔ اسی سفر میں ہر دو شیر خاں ایک دوسرے سے واقف اور ہمنامی کے سبب ایک دوسرے کے دوست بن گئے تھے۔ جونپور کی جنگ میں سلطان محمود خاں لودی کو شکست ہوئی دولت خاں المعروف بہ شیر خاں زخمی ہو کر پٹنہ واپس آیا اور سپہ گری سے دستکش ہو کر تجارت میں مشغول ہوا۔ جب شیر شاہ نے ہمایوں کو پہلی مرتبہ بکسر کے

قریب شکست دیکر بھگا دیا اور شیر خاں سے شیر شاہ بن گیا تو شیر خاں (دولت خاں) اپنے تجارت کے کاروبار کو چھوڑ کر شیر شاہ کی خدمت میں آیا۔ شیر شاہ نے پرانی دوستی و شناسائی کو مدنظر رکھکر مروّت وعزّت کا سلوک اور زمرۂ امرا میں شامل کیا۔

اس کے بعد مالوہ کے زمینداروں اور رئیسوں نے شیر شاہ کے پاس درخواستیں بھیجیں کہ ہم آپ کے فرماں بردار و مطیع ہیں کسی سردار کو اس طرف بھیجد یجیے کہ ہم سب اس کے ساتھ ہوکر ہمایوں کے کارندوں کو اس ملک سے خارج کردیں۔ شیر شاہ نے اپنے بڑے بیٹے قطب خاں کو مالوہ کی طرف روانہ کیا اور شیر خاں کو بطور اتالیق قطب خاں کے ہمراہ بھیجا۔ چونکہ امرائے مالوہ نے خود درخواست بھیجی تھی اور ہر قسم کی جانفشانی کا اقرار کیا تھا لہذا قطب خاں کے ساتھ کوئی بڑی فوج نہیں بھیجی گئی۔ خیال تھا کہ مالوہ کی تمام فوجیں قطب خاں کے زیر عَلَم فراہم ہوجائیں گی۔ قطب خاں اور شیر خاں جب مالوہ میں پہنچے تو ہمایوں نے آگرہ سے اپنے بھائی مرزا عسکری و مرزا ہندال کو اُس طرف روانہ کیا۔ امرائے مالوہ ازراہِ بدعہدی قطب خاں کو تنہا چھوڑ کر مرزاؤں کے شریک ہوگئے۔ قطب خاں سے جب

اُس کے ہمراہیوں نے کہا کہ یہاں سے بھاگ چلو تو اُس نے جواب دیا کہ میرے سوا شیر شاہ کے اور بھی کئی بیٹے موجود ہیں میرے مارے جانے سے کوئی حرج و نقصان واقع نہو گا لیکن مرزاؤں کے مقابلے سے میرا فرار ہو جانا ہمارے خاندان کی عزت کو نقصان پہنچائیگا۔ یہ کہکر وہ اپنے مٹھی بھر ہمراہیوں کے ساتھ مقابلہ پر ڈٹ گیا۔ اور بڑی بہادری کے ساتھ مارا گیا۔ قطب خاں کے مارے جانے پر شیر خاں سے ہمراہیوں نے کہا کہ اب کیا باقی رہا ہے اپنی جان میدان سے سلامت نکال لے چلو۔ شیر خاں نے کہا میں اپنی سفید داڑھی شیر شاہ کو کیسے دکھا سکتا ہوں۔ یہ کہکر حملہ آور ہوا اور بہت سے دشمنوں کو خاک و خون میں ملا کر خود بھی قطب خاں کے پاس پہنچ گیا۔ شیر شاہ نے قطب خاں اور شیر خاں کے مارے جانے کا حال سُن کر پٹنہ سے شیر خاں کے چاروں بیٹوں کو بلایا جن کے نام محمود خاں، عمر خاں، قاسم خاں اور کمال خاں تھے۔ ان چاروں کو بڑی بڑی جاگیریں اور طوغ و علم و نقارہ عطا کرکے معزز و سربلند کیا۔ عمر خاں کو اپنے پاس رکھکر باقی تینوں کو اُن کی جاگیروں کی طرف رخصت کر دیا۔ برہان پور کے فاروقی فرماں روا کا

سپہ سالار عالم خاں لودی جب شیر شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو شیر شاہ نے عالم خاں کی بیٹی سے عمر خاں ابن شیر خاں کی شادی کر دی۔ پھر چند روز کے بعد عمر خاں کو بھی جاگیر کی طرف رخصت کیا۔ ان چاروں بھائیوں کی نسبت کئی مرتبہ لوگوں نے شیر شاہ کی خدمت میں شکایتیں پہنچائیں۔ شیر شاہ نے ہر مرتبہ یہی جواب دیا کہ ابھی تک شیر خاں کا خون مالوہ کی زمین پر خشک نہیں ہوا ہے میں اُس کے بیٹوں کو ہرگز آزردہ نہ کرونگا۔ شیر شاہ کے بعد سلیم شاہ نے عمر خاں اور محمود خاں کو اٹیٹہ اور قنوج و گوالیار و بیانہ و سنبھل وغیرہ کی طرف حکومت و انتظام ملکی پر مامور رکھا۔ ۹۵۶ھ میں عالم خاں لودی کی بیٹی کے پیٹ سے عمر خاں کا بیٹا دولت خاں قلعہ گوالیار میں پیدا ہوا۔ سلیم شاہ کی وفات کے بعد جب عدلی تخت نشین ہوا تو وہ عمر خاں اور اُس کے بھائیوں سے ناخوش رہا۔ آخر اُس نے محمود خاں، قاسم خاں اور کمال خاں تینوں بھائیوں کو اُن کی جاگیروں سے بیدخل کر کے چنار کے قلعہ میں قید کر دیا۔ یہ سُنتے ہی عمر خاں فرار ہو کر مالوہ کے کسی غیر معروف مقام میں چلا گیا۔ عدلی نے جب چنار سے ہیمو بقال کو فوج دیکر آگرہ و دہلی کی جانب روانہ کیا

تو محمود خاں، قاسم خاں، کمال خاں، تینوں بھائیوں کو قید خانہ سے نکال کر خلعت فاخرہ عطا کیے اور ہر قسم کے انعام و اکرام کا متوقع کر کے ہیمو کے ساتھ روانہ کیا۔ پانی پت کے معرکہ میں محمود خاں و قاسم خاں دونوں بھائی مغلیہ فوج کا مقابلہ کرتے ہوئے مارے گئے۔ عمر خاں بھائیوں کے مارے جانے اور پٹھانوں کے قبضے سے سلطنت کے نکل جانے کی خبر سُن کر مع اہل و عیال گجرات کی طرف روانہ ہوا اور ۹۶۳ھ میں احمد آباد پہنچکر گجرات کے مشہور سردار شیر خاں فولادی کا نوکر ہو گیا۔ عمر خاں کا بیٹا دولت خاں جب جوان ہوا تو وہ گجرات کے ایک دوسرے امیر حاجی خاں کا نوکر ہوا اور موضع اٹاوہ متصل احمد آباد دولت خاں کی تنخواہ میں بطور جاگیر مقرر ہوا۔ ۹۸۲ھ میں جب اکبر کی فوجوں نے گجرات پر حملہ کیا تو میدان جنگ میں شیر خاں فولادی کے بیٹے محمد خاں کے ہمراہ عمر خاں بھی مارا گیا اُس وقت دولت خاں کی عمر ۲۶ سال کی تھی۔

مسند عالی دولت خاں سوم

جب گجرات پر مغلوں کا قبضہ ہوا تو دولت خاں احمد آباد سے سورت چلا گیا۔ سورت کے راجہ نے دولت خاں کے ساتھ

عزت و تکریم کا برتاؤ کیا اور اُس کو اپنے زمرہ مصاحبین میں داخل کر لیا۔ شاہ ابوتراب محاسب گجرات نے ۹۸۳ھ میں دولت خاں کو سورت سے بُلوا کر خان اعظم مرزا عزیز کوکہ صوبہ دار گجرات کی خدمت میں پیش کیا۔ مرزا عزیز کوکہ نے دولت خاں کو اپنی مصاحبت میں داخل کر کے پرگنہ جھالاوار جاگیر میں عطا کیا۔ جب گجرات سے مرزا عزیز کو آگرہ طلب کیا گیا تو مرزا کے ساتھ دولت خاں بھی ہم سفر ہوا۔ راستہ میں مقام سروہی کے قریب راجپوتوں کی ایک زبردست جماعت نے مرزا عزیز کے قافلہ پر اچانک حملہ کیا۔ یہ بڑا نازک وقت تھا اور بظاہر بچنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ دولت خاں نے اُس وقت بڑا کام کیا اور تنہا راجپوتوں کے سپہ سالار سے جا بھڑا۔ اگرچہ خود بھی زخمی ہوا مگر راجپوتوں کے اس سردار کو قتل کر دیا۔ سردار کے قتل ہوتے ہی راجپوت بھاگ گئے۔ اور مرزا عزیز نے خدائے تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اُسی وقت دولت خاں کو دو ہزار روپیہ اور ایک گھوڑا انعام دیا۔ دارالسلطنت پہنچکر دولت خاں کے اس کارنامہ کا حال پادشاہ کو سنایا۔ اکبر نے دولت خاں کو اپنے سامنے بلوایا تو اُس وقت تک اُس کے چہرہ کا زخم پورے طور پر مندمل نہ ہوا تھا۔ پادشاہ نے خوش ہو کر ... [illegible]

طوسی دوشالہ اُتار کر دولت خاں کو دیا۔ چند روز کے بعد مرزا عزیز کوکہ نے بادشاہ سے ناراض ہوکر امارت ترک کی اور گوشہ نشین ہوگیا دولت خاں نے اس حالت میں بھی مرزا عزیز کی رفاقت ترک نہیں کی۔ مرزا عزیز نے عبدالرحیم ابن بیرم خاں المخاطب بہ مرزا خاں کو جو ابھی تک خان خاناں نہیں ہوا تھا اپنے پاس بلوایا۔ دولت خاں کا ہاتھ پکڑ کر مرزا خاں کے سپرد کیا اور کہا کہ "یہ ایک امانت ہے جو تمکو سپرد کرتا ہوں، اس کے حال سے کبھی غافل نہ ہونا اور ہمیشہ اس کے ساتھ بھائیوں کی طرح سلوک کرنا۔" مرزا خاں نے بیحد خوشی کا اظہار کیا اور دولت خاں کو اپنے ساتھ لے آیا۔ بھائیوں سے بڑھکر عزیز رکھا اور کبھی اُس کو ناراض ہونے کا موقع نہ دیا۔ ۹۸۴ھ میں دولت خاں کا تعلق مرزا عبدالرحیم کے ساتھ قائم ہوا۔ ۹۸۵ھ میں اکبر نے شہباز خاں کمبوہ اور مرزا خاں کو اودے پور میواڑ پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا۔ رانا پرتاب بانسواڑہ کے پہاڑوں میں بھاگ گیا اور کونبھلمیر و اودے پور پر شاہی فوج کا قبضہ ہوا۔ اس معرکہ میں سب سے زیادہ دولت خاں نے خدمات شایستہ انجام دیں۔ پھر ۹۸۹ھ میں اکبر نے مرزا عبدالرحیم کو مظفر گجراتی کے خلاف گجرات پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ اس معرکہ میں دولت خاں ہی نے مرزا عبدالرحیم کو

سنبھالا اور وہ رستمانہ حملے کیے کہ تمام دشواریاں آسانی سے تبدیل ہوگئیں۔ اسی فتح گجرات کے صلے میں مرزا عبدالرحیم کو خان خاناں کا خطاب اور پنج ہزاری منصب ملا۔ اس کے بعد سندھ کی تسخیر میں دولت خاں سے وہ بہادری وصف شکنی ظہور میں آئی کہ بادشاہ نے خوش ہوکر دو ہزاری منصب عطا کیا اور سندھ کے فتحنامے دولت خاں کے نام سے معنون کیے گئے۔ شہزادہ مراد دکن کی فتح پر مامور ہوا تو خان خاناں کو شہزادہ کا اتالیق بنا کر بھیجا گیا۔ دولت خاں خان خاناں کے ہمراہ تھا اور خان خاناں کوئی کام دولت خاں کے مشورہ بغیر نہیں کرتا تھا۔ مراد کے مرنے پر اُس کے بھائی شہزادہ دانیال کو بادشاہ نے دکن کا ناظم مقرر کیا۔ اور خان خاناں و دولت خاں اس شہزادے کی اتالیقی پر مامور ہوئے شہزادہ دانیال خانخاناں کا داماد بھی تھا۔ شہزادہ نے یہ دیکھکر کہ دولت خاں سے بڑھ کر بہادر اور صائب الرائے دوسرا تلاش نہیں کیا جاسکتا خان خاناں سے فرمایش کی کہ دولت خاں کو میری سرکار سے متعلق کردو۔ خان خاناں نے اول عذر کیا لیکن جب شہزادہ نے اپنی بیوی یعنی خان خاناں کی بیٹی سے بہت زور ڈلوایا اور خود بھی مسلسل اصرار کرتا رہا تو خان خاناں نے مجبور ہوکر

کہا کہ یہ معاملہ دولت خاں کے اختیار میں ہے میرے اختیار میں نہیں۔ دولت خاں سے کہا گیا تو اُس نے کہا کہ خانخاناں کو اختیار ہے کہ وہ مجھ کو اپنے پاس سے جدا کر دے لیکن میں خود اُس سے جُدا ہونے کی خواہش کبھی نہ کروں گا۔ آخر بڑی ردوکد کے بعد بماہ صفر ۱۰۰۹ھ میں دولت خاں شہزادہ کے متوسلین میں شامل ہوا۔ شہزادہ دانیال نے دولت خاں کو حاصل کر کے ایسی خوشی کا اظہار کیا جیسے کسی بڑی عظیم الشان سلطنت پر قبضہ پا یا۔ شہزادہ نے دولت خاں کو مسند عالی کا خطاب دیکر اپنے تمام کاموں کا مدار المہام اور مختار کُل بنا دیا۔ اس کے بعد اکبر خود بُرہان پور گیا اور شہزادہ دانیال کو احمد نگر سے بُرہان پور طلب کیا تو وہ دولت خاں کو احمد نگر چھوڑ کر خود باپ کی خدمت میں بُرہان پور حاضر ہوا۔ ۲۸ شعبان ۱۰۱۰ھ کو مسند عالی دولت خاں کا احمد نگر میں انتقال ہوا۔ باون ۵۲ سال کی عمر پائی۔ جنازہ بُرہان پور میں لاکر دفن کیا گیا۔ یہی مسند عالی دولت خاں ابن عمر خاں ہے جس کو مورخین "دولت خاں سوم" کہتے ہیں۔ اگر دولت خاں سوم کے دادا کا نام دولت خاں کی جگہ شیر خاں مشہور نہ ہوا ہوتا تو اُس کو دولت خاں سوم اور اِسکو دولت خاں

چہارم کہا جاتا۔ مرزا عبدالرحیم خانخاناں کہا کرتا تھا کہ ہر شخص میں خواہ کتنی ہی خوبیاں ہوں مگر کوئی نہ کوئی عیب ضرور ہوتا ہے لیکن دولت خاں ایسا شخص ہے کہ مجھ کو سوائے خوبیوں کے کوئی عیب اس میں نظر نہ آیا۔ ہاں اگر کوئی عیب دولت خاں سے منسوب ہی کرنا پڑے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ضرورت سے زیادہ ہمّت رکھتا ہے سو یہ ایسا عیب ہے کہ اس پر ہزار خوبیاں قربان کی جا سکتی ہیں۔" مسند عالی دولت خاں نے دو جوان بیٹے اپنی یادگار چھوڑے۔ ایک کا نام محمد خاں اور دوسرے کا نام پیر خاں تھا۔ ان دونوں بھائیوں نے بھی محاربات دکن میں باپ کے ساتھ بڑی بڑی بہادریاں دکھائی تھیں اور فنون سپہگری کے علاوہ علم و فضل سے بھی بے بہرہ نہ تھے شہزادہ دانیال نے ان دونوں کو اپنی مصاحبت میں داخل کرکے ہر قسم کی رعایت و تربیت ان کے حال پر مبذول رکھی۔ محمد خاں ابن دولت خاں سالہ میں ایک بیٹا خضر خاں نامی چھوڑ کر فوت ہو گیا۔ اب مسند عالی دولت خاں کا صرف ایک بیٹا پیر خاں باقی رہا۔ یہی پیر خاں ابن دولت خاں ہے جو بعد میں خان جہاں کے خطاب سے مخاطب ہو کر آج تک خان جہاں لودی کے نام سے

مشہور اور اس رسالہ کی نگارش کا موجب ہے۔

خان جہاں لودی

۱۰۰۸ھ میں پیر خاں ابن دولت خاں لودی شہزادۂ دانیال کی مصاحبت میں داخل ہوا پیر خاں کی قابلیت و اہلیت نے بہت جلد شہزادہ کو اپنا گرویدہ کر لیا۔ اور اُس نے بیٹے کو باپ کا نعم البدل پا کر اُس کے اختیار و اقتدار میں اضافہ کر کے دولت خاں کی تمام ذمہ داریاں اُس کے سپرد کر دیں۔ یکم ذیحجہ ۱۰۱۳ھ کو شہزادۂ دانیال کا دکن میں انتقال ہوا۔ اُس کے ساڑھے چھ مہینے بعد ۱۳ جمادی الثانی ۱۰۱۴ھ کو اکبر بھی فوت ہو گیا۔ شہزادہ سلیم نے جو اکبر کے بعد جہانگیر کے لقب سے تخت نشین ہوا ۱۰۱۳ھ میں جبکہ شہزادۂ دانیال زندہ تھا دو مرتبہ پیر خاں کے پاس پیغام بھیجے کہ تم ہمارے پاس چلے آؤ۔ غالباً جہانگیر، پیر خاں کو اس لیے اپنے پاس بلانا اور شہزادۂ دانیال سے جدا کرنا چاہتا ہوگا کہ شہزادۂ دانیال ہی تخت سلطنت کے لیے جہانگیر کا رقیب اور مدمقابل بن سکتا تھا۔ پیر خاں کی بہادری اور قابلیت کی شہرت جہانگیر تک پہنچ چکی تھی۔ اُس نے ہر قسم کے لالچ دیے مگر پیر خاں نے شہزادۂ دانیال سے جدا ہونا پسند نہ کیا۔ جب اکبر کا انتقال ہوا

توخان خاناں اور پیر خاں دونوں بُرہان پور میں موجود اور معاملات دکن کے سُلجھانے میں مصروف تھے۔ مرزا عزیز اور مان سنگھ دونوں جہانگیر کی تخت نشینی کے مخالف اور جہانگیر کے بیٹے خسرو کو تخت پر بٹھانا چاہتے تھے۔ خسرو مان سنگھ کا بھانجا اور مرزا عزیز کا داماد تھا۔ اگر شہزادہ دانیال زندہ ہوتا تو خان خاناں دانیال کی تخت نشینی کے لیے جہانگیر کے خلاف ضرور کوشش کرتا اور پیر خاں کو بھی اس کوشش میں حصہ لینا پڑتا۔ لیکن خان خاناں اور پیر خاں کو دانیال کی وفات نے اس مصیبت سے پہلے ہی نجات دیدی تھی۔ جہانگیر کو بھی اب خان خاناں یا پیر خاں سے کوئی اندیشہ نہ رہا تھا لہذا اُس نے تخت نشین ہوتے ہی خان خاناں کے پاس مہماتِ دکن کے اہتمام کی سند اور خلعت بھیجکر پیر خاں کو اپنی خدمت میں طلب کیا۔ خان خاناں نے شاہی ایلچیوں کے ہمراہ عرضداشت بھیجی کہ پیر خاں کا اس وقت یہاں سے جدا ہونا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ جہانگیر چونکہ عرصہ سے پیر خاں کو اپنے پاس بُلا رہا تھا اس لیے خان خاناں کی درخواست پڑھکر آتشِ شوق اور بھی تیز ہوئی۔ دوبارہ تاکیدی حکم بھیجا گیا کہ بلا توقف پیر خاں کو ہمارے پاس بھیجدو۔ اس حکم کے پہنچنے پر پیر خاں بُرہان پور سے روانہ ہوا۔ اور لاہور میں جبکہ

جہانگیر خسرو کو گرفتار کر کے حسن بیگ وغیرہ کو سزا دے چکا تھا، جہانگیر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جہانگیر پیر خاں کے آنے سے بہت خوش ہوا۔ صلابت خاں کا خطاب اور دو ہزاری منصب عطا کیا۔ اس کے بعد جہانگیر کابل کی طرف روانہ ہوا اور پیر خاں لودی المخاطب بہ صلابت خاں کو ہمراہ لے گیا۔ اس سفر میں ہر روز جہانگیر کا التفات صلابت خاں کی نسبت بڑھتا گیا۔ کابل سے لاہور واپس آکر جہانگیر نے صلابت خاں کو پنج ہزاری منصب اور خان جہاں کا خطاب عطا کر کے اپنی فرزندی سے بھی مفتخر کیا۔ چنانچہ بادشاہ نے خود تصنیف فرما کر اپنے قلم سے ایک کاغذ پر یہ سجع لکھا ؎

فرزندِ خاصِ شاہ شد از قدرتِ اللہ
خانِ جہاں مرید جہانگیر پادشاہ"

پھر ملّا احمد مہرکن کو طلب فرما کر حکم دیا کہ اس سجع کو انگوٹھی کے نگینہ پر کندہ کر کے لاؤ۔ ملّا احمد انگوٹھی تیار کر کے لایا تو پادشاہ نے اپنے ہاتھ سے وہ انگوٹھی جس پر سجع مذکور کندہ تھا خان جہاں کو عطا کی۔ خان جہاں کے حال پر اس قدر شفقت وعنایت مبذول دیکھ کر بعض حاسدوں نے پادشاہ سے تنہائی میں موقع پا کر عرض کیا کہ ایک افغان کو ایسا بلند مرتبہ عطا کرنا اور فرزندی کے مقام پر رفیع

تک پہنچانا احتیاط و عقل کے خلاف ہے۔ جہانگیر پر اس کا اثر اُلٹا ہوا۔
اُس نے اگلے روز دربار میں خان جہاں کو خلعت خاص، اسپ خاص،
تسبیح جواہر، کمر و خنجر مرصع، شمشیر مرصع عطا کر کے تمام امیروں اور
وزیروں سے اونچے مرتبے پر بٹھایا۔

دارالسلطنت آگرہ میں پہنچکر جہانگیر نے خان اعظم مرزا
عزیز کوکہ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ تمام امرا نے بادشاہ کے اس ارادہ
کی تائید و توثیق و تصویب کی۔ خان جہاں اس مجلس میں شریک
نہ تھا اور شاید دانستہ شریک نہیں کیا گیا تھا۔ بادشاہ کے اس ارادہ
کا حال سُن کر خان جہاں خود بادشاہ کی خدمت میں پہنچا اور نہایت
آزادی کے ساتھ عرض کیا کہ "خان اعظم کی ماں جیجی نے آپ کے
باپ کو دودھ پلایا ہے۔ خان اعظم کے باپ شمس الدین محمد خاں
اتگہ نے اُس وقت جبکہ سلطنت خطرے میں تھی بیرم خاں کو
شکست فاش دے کر سلطنت کی بُنیاد کو مضبوط کیا۔ اسی کارنامے
نے اُس کے حاسدوں کو اُس کی جان لینے پر آمادہ کیا اور وہ
آپ کے باپ پر قربان ہوگیا۔ مرزا عزیز کوکہ کے کارنامے اور
بادشاہ اکبر کا اُس کی ناز برداریاں کرنا کسی سے پوشیدہ
نہیں۔ مرزا عزیز آپ کا چچا اور آپ کے لیے عزت و عظمت

کا مقام ہے۔ اُس کی کسی اضطراری غلطی پر سخت گیری یا سنگ دلی کا برتاؤ کرنا ہرگز آپ کے شایانِ شان نہیں۔" پادشاہ پر خان جہاں کی گفتگو کا بڑا اثر ہوا اور اُسی وقت مرزا عزیز المخاطب خانِ اعظم کی تمام لغزشوں کو معاف فرما کر ہفت ہزاری منصب اور خلعت و اسپ عطا کیا۔

عبدالرحیم خان خاناں اگرچہ جہانگیر کی تخت نشینی کے وقت جہانگیر کا مخالف و مزاحم نہ تھا، اور نہ وہ دارالسلطنت آگرہ میں اُس وقت موجود تھا لیکن تھوڑے ہی دنوں پہلے تک وہ جہانگیر کی تخت نشینی کے خلاف تھا لہٰذا کچھ دنوں بعد جہانگیر کے انتقامی جذبہ میں تحریک پیدا ہوئی اور اُس نے خان خاناں کا پنج ہزاری منصب اور تمام سامانِ امارت اور جاگیر وغیرہ ضبط کر کے اُسے نظر بند کرنا چاہا۔ امرائے دربار بھی خان خاناں کے مخالف و بدخواہ تھے اور اگر کسی کو اُس کے ساتھ ہمدردی بھی تھی تو اس قدر جرأت نہ تھی کہ خان خاناں کی نسبت کلمۂ خیر زبان تک لاسکے۔ اس نازک موقع پر جبکہ زمین و آسمان سب خان خاناں کے مخالف نظر آرہے تھے، خانجہاں لودی نے اپنی شرافت و انسانیت کا اظہار اس طرح کیا کہ نہایت

بیباکانہ و آزادانہ لہجہ میں سرِ دربار بادشاہ سے عرض کیا کہ خانخاناں خاندان سلطنت کا قدیمی پروردہ و تربیت کردہ ہے اُسکو ذلیل و رسوا کرنا اور اذیت پہنچانا ہرگز شان شاہانہ کے شایاں نہیں؛ پھر یہ شعر پڑھا کہ ؎

چوب را آب فرو می نبرد از نہے آنکہ
شرم دارد ز فرو بردن پروردۂ خویش"

خان جہاں کے کلام نے تازیانہ کا کام کیا اور جہانگیر کے دل میں عفو و درگزر کی صفت حسنہ نے فوراً واپس آکر خان خاناں کے منصب و جاگیر کو بدستور بحال رکھا اور وہ دکن کی نظامت پر مامور ہوا۔

اس کے بعد جہانگیر دوبارہ خان خاناں سے ناراض ہوا اس لیے کہ اُس نے عنبر جی حبشی کے ساتھ دوستی پیدا کرکے جالنہ وغیرہ چند پرگنے بخوشی عنبر جی کو دیدیے تھے۔ خانخاناں آگرے میں طلب ہوا۔ اور قریب تھا کہ اُس کو عبرتناک سزا دی جائے اس مرتبہ بھی خان جہاں نے ہی اپنی جان پر کھیل کر خانخاناں کی سفارش کی۔ اور ایسے لطیف و عاقلانہ انداز سے بادشاہ کو سمجھایا کہ اُس کا تمام غیظ و غضب فرو ہو گیا۔ اور خان جہاں سے خان خاناں کی ضمانت لیکر اُسے پھر دکن کی نظامت پر

بھیجدیا۔
اوپر ذکر آچکا ہے کہ خان جہاں لودی کے باپ دولتخاں سوم کا مرزا عزیز اور مرزا عبدالرحیم سے کس قسم کا تعلق تھا۔ خان جہاں نے اپنے باپ کے ان دونوں قدر دانوں اور محسنوں کے حقوق کو بخوبی ادا کیا۔ لیکن سب سے زیادہ حیرت کا مقام یہ ہے کہ جہانگیر نے جب راجہ مان سنگھ کے استیصال کا ارادہ کیا تو کسی کو بھی وہم و گمان نہ تھا کہ مان سنگھ کی سفارش کے لیے کوئی شخص اپنی زبان کھول سکے گا۔ مان سنگھ ہی وہ شخص تھا جس نے جہانگیر کو محروم رکھ کر خسرو کو اکبر کے بعد تخت نشین کرنے کی سر توڑ کوششیں کی تھیں۔ اُسی نے خان اعظم مرزا عزیز کوکہ کو بہکا کر اپنا ہم خیال اور شریک کار بنایا تھا۔ جہانگیر کے دل میں مان سنگھ کی جانب سے سخت نفرت تھی اور وہ راجپوتوں سے بہت بدگمان ہوگیا تھا۔ دربار جہانگیری میں کوئی متنفس ایسا نہ تھا جو مان سنگھ کی نسبت کلمۂ خیر کہہ سکے۔ لیکن اس موقع پر بھی خان جہاں لودی ہی آگے بڑھا۔ اور اُس نے مان سنگھ کے اُن تمام کارناموں اور جاں فروشیوں کی داستان سُنائی جو اکبر کے عہد حکومت میں اُس سے ظہور میں آئی تھیں۔ ساتھ ہی اس بات کی طرف بھی توجہ دلائی کہ بادشاہ

کے لیے اور سلطنت کے استحکام و رونق کے لیے بھی عفو کا نتیجہ انتقام سے بدرجہا بہتر ثابت ہوگا۔ چنانچہ جہانگیر نے مان سنگھ کے قتل کا ارادہ ترک کر کے اُس کو دکن کی جانب ایک مناسب جاگیر دے کر رخصت کر دیا اور وہ وہیں فوت ہوا۔ گویا خان جہاں لودی نے ہر شاہی معتوب کی سفارش کرنے اور ہر معزز شخص کی عزت کو محفوظ رکھنے کی کوشش کا ٹھیکہ لے رکھا تھا۔ اگر خان جہاں لودی نہ ہوتا تو جہانگیر مذکورہ ہر سہ امیروں (خان اعظم مرزا عزیز کوکہ، عبدالرحیم خانخاناں، راجہ مان سنگھ) کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کر کے ہندوستان کے نہایت بدنام بادشاہوں میں شامل ہوچکا ہوتا خان جہاں لودی کے ان کارناموں اور اُس کے اُس اثر و اقتدار کو جو دربار جہانگیری میں اُس کو حاصل تھا عہد شاہجہانی کا کوئی مورخ اس لیے مفصل بیان نہیں کر سکا کہ شاہجہاں کے زمانہ میں خان جہاں لودی کو دشمنِ سلطنت اور باغی و طاغی قرار دیا جاچکا تھا جیسا کہ آگے یہ دلخراش داستان بیان ہونے والی ہے۔ مذکورہ حالات زیادہ تر عہد جہانگیر کی تصنیف شدہ کتاب مخزن افغانی مصنفہ حبیب اللہ ہروی سے ماخوذ ہیں۔ دکن کی سلطنت نظام شاہی اور سلطنت دہلی کے تعلقات بہت کشیدہ ہوگئے تھے۔ جہانگیر نے شہزادہ

پرویز کو دکن کی جانب روانہ کیا لیکن شہزادہ کو رخصت کرنے کے بعد کسی زبردست سپہ سالار اور صاحب تدبیر شخص کا اُس طرف بھیجنا ضروری محسوس ہوا۔ امرائے دربار خان جہاں لودی کے اثر و اقتدار کو حسد کی نگاہ سے دیکھتے اور اُس کو بادشاہ سے جُدا رکھنا چاہتے تھے سب نے یک زبان ہوکر مشورہ دیا کہ خان جہاں سے بہتر کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو دکن کی مہمات کو بحسن وخوبی انجام دے سکے۔ یہ مشورہ غلط اور حقیقت کے بھی خلاف نہ تھا اور خانجہاں کے مانند کوئی دوسرا شخص دارالسلطنت میں موجود نہ تھا۔ جہانگیر نے بادل ناخواستہ خان جہاں کو اپنے پاس سے جدا کرنا گوارا کیا اور خان جہاں شروع ۱۰۱۹ھ میں شہزادہ پرویز کے پاس بُرہان پور پہنچ کر مہمات دکن میں شریک ہوا۔ ۴۔ ماہ صفر ۱۰۱۹ھ کو ملکا پور کے میدان جنگ میں خان جہاں اور اُس کے بھتیجے خضر خاں نے دکنی لشکر کے مقابلہ میں رستم واسفندیار کے کارناموں کو تازہ کرکے دکھایا اور دکن میں سلطنت دہلی کی دھاک بٹھادی۔ عبدالرحیم خانخاناں بطور اتالیق شہزادہ کے ہمراہ تھا لیکن ابھی تک کسی سے کچھ نہ ہوسکا تھا۔ خان جہاں کے پہنچتے ہی مہماتِ دکن کا رنگ تبدیل ہوگیا۔ نظام الملکی لشکر کو جب خان جہاں کے مقابلے میں پے درپے چند شکستیں

ہوئیں تو عنبر جی حبشی کی جانب سے صلح کی درخواست آئی۔ خان جہاں لودی اور شہزادہ پرویز اگرچہ صلح پر رضامند نہ تھے لیکن خان خاناں اور دوسرے امرائے لشکر صلح پر آمادہ ہو گئے اور عنبر جی حبشی نے بالاگھاٹ اور جالنہ وغیرہ کئی پرگنے دیکر اور دَب کر صلح کر لی۔ اس صلح کے بعد شہزادہ مع خان خاناں و خانجہاں بُرہان پور آ گیا جو اُس زمانے میں ناظم دکن کا مستقر حکومت تھا۔ ۷۔ ماہ رجب ۱۰۱۹ھ کو مہابت خاں پادشاہ کا فرستادہ پہنچا اور خان خاناں کو شاہی حکم پہنچایا کہ فوراً اپنی تمام ذمّہ داریوں کا چارج خان جہاں کو سپرد کرکے آگرہ پہنچو۔ چنانچہ عبدالرحیم خان خاناں شہزادہ کی اتالیقی اور دکن کی تمام ذمہ داریاں خان جہاں کو سپرد کرکے مہابت خاں کے ہمراہ آگرہ کی جانب روانہ ہوا۔ خان جہاں پونے دو سال تک شہزادہ کا اتالیق اور صوبجات دکن و برار کا ناظم و فرماں روا رہا۔ ۲۔ ربیع الاول ۱۰۲۱ھ کو ارادت خاں المخاطب بہ خان اعظم شاہزادہ کی اتالیقی پر مامور ہو کر بُرہان پور آیا اور خان جہاں بدستور سپہ سالاری کے عہدۂ جلیلہ پر قائم رہا۔ ۱۹ر شعبان ۱۰۲۱ھ کو بُرہان پور سے خان اعظم شہزادہ پرویز کو ہمراہ لیکر دولت آباد کی جانب روانہ ہوا۔ جہانگیر نے حکم دیا تھا کہ برسات کے گزرنے اور سہیل کے

طلوع ہونے کے بعد بُرہان پور کا لشکر شمال و مشرق کی جانب سے اور عبد اللہ خاں فدوی حاکم گجرات مع علی مردان خاں و خان عالم شمال و مغرب کی جانب سے دولت آباد پر حملہ آور ہوں۔ اسی قرارداد کے موافق خان اعظم بُرہان پور سے روانہ ہوا لیکن احمد نگر کی نظام شاہی فوجوں نے صوبہ خاندیس پر حملہ آوری شروع کر دی تھی لہٰذا صوبۂ خاندیس کی حفاظت کے لیے خان جہاں مقرر ہوا۔ خان جہاں نے موضع روہکھیڑہ کے قریب نظام شاہی فوجوں کو شکست فاش دیکر دکنی لشکر کی کمر توڑ دی اور صرف بیس[۲] روز کے عرصہ میں خاندیس اور سرحدات خاندیس سے حملہ آوروں کو بھگا کر اس طرف کے خطرہ کا قابل اطمینان سد باب کر دیا۔ اور یہاں سے روانہ ہو کر شہزادہ سے جو باآہستگی دولت آباد کی طرف بڑھ رہا تھا جا ملا۔ وہاں جاتے ہی یہ خبر سنی کہ عنبر جی حبشی نے یعقوب خاں حبشی اور آدم خاں کو بیس[۲] ہزار سواروں کے ساتھ بالاگھاٹ سے خاندیس پر حملہ آور ہونے کے لیے روانہ کیا ہے۔ یہ سنتے ہی خان جہاں لودی بالاگھاٹ کی جانب اس ارادہ سے روانہ ہوا کہ مذکورہ نظام شاہی فوج کو شکست دیکر اُس طرف سے دولت آباد کی جانب روانہ ہو جائیگا۔ اس یلغار میں راجہ مان سنگھ و صورت سنگھ بھی خان جہاں لودی

کے ہمراہ تھے۔ بالا گھاٹ کے قریب پہنچکر دکنیوں کے لشکر کو شکست فاش دیکر خان جہاں دولت آباد کی جانب روانہ ہوا۔ دولت آباد پر حملہ کرنے کی تاریخ پہلے سے مقرر ہو چکی تھی کہ اُسی روز عبد اللہ خاں فدوی اور خاں جہاں ہر دو جانب سے حملہ آور ہونگے۔ خان جہاں بالا گھاٹ سے فارغ ہو کر دولت آباد کی جانب ایسے وقت روانہ ہو چکا تھا کہ مقررہ تاریخ پر وہاں ضرور پہنچ جاتا لیکن ایک قدرتی رکاوٹ یہ پیش آگئی کہ راستہ میں نہایت سخت بارش ہوئی اور دو تین دن لشکر کو مجبوراً مقام کرنا پڑا۔ بارش نے جب ذرا مہلت دی تو دولت آباد کی طرف کوچ ہوا۔ عبد اللہ خاں فدوی کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ خان جہاں لودی ابھی دولت آباد کے قریب نہیں پہنچا اور دو تین روز کا تامل ضروری ہے، لیکن اُس نے محض اس شوق میں کہ دولت آباد کی فتح تنہا میری کوشش سے حاصل ہو، خان جہاں کا انتظار نہ کیا اور بڑھا چلا آیا۔ دولت آباد سے بارہ کوس کے فاصلہ پر موضع بیضا پور میں عنبر جی حبشی سے مقابلہ ہوا۔ عبد اللہ خاں شکست کھا کر بھاگا۔ علی مردان خاں اور مرزا برخوردار خاں المخاطب بہ خان عالم دونوں سردار زخمی ہو کر گرفتار ہوگئے خان جہاں لودی دولت آباد سے ۳۴ کوس کے فاصلہ پر پہنچا تھا کہ اُس کو عبد اللہ خاں کے شکست

کھاکر فرار ہونے اور مذکورہ دونوں سرداروں کے زخم دار وگرفتار ہو جانے کا حال معلوم ہوا۔ اسی جگہ خان اعظم بھی مع فوج خان جہاں سے آملا۔ اور شہزادہ پیچھے ملکاپور میں مقیم رہا۔ لشکر گجرات یعنی عبداللہ خاں کی شکست اور علی مروان خاں وخان عالم کی گرفتاری کا حال سُنکر لشکر شاہی اور سرداران لشکر کے حوصلے پست ہوگئے۔ سب نے یہی مناسب سمجھا کہ برہان پور کی طرف واپس لوٹ چلیں کیونکہ دشمن کی فوج بہت زیادہ اور لشکر شاہی کے لیے سامان رسد کا کوئی بندوبست نہیں ہے۔ خان جہاں لودی نے واپسی سے قطعاً انکار کیا اور کہا کہ تم سب واپس چلے جاؤ میں تنہا اپنے ذاتی آدمیوں کے ساتھ دشمن پر حملہ کروں گا۔ اس اختلاف نے بہت طول کھینچا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ خان اعظم، مان سنگھ، نرسنگدیو بندیلہ، خواجہ ابوالحسن وغیرہ تمام سردار خان جہاں لودی کے خیمہ میں آئے اور سب نے ملکر منت سماجت کے ساتھ واپسی پر آمادہ کرنا چاہا مگر خان جہاں کسی طرح رضامند نہ ہوا۔ اسی اصرار وانکار میں تین دن گزر گئے، اور نظام شاہی فوج کے بعض دستے لشکر گاہ کے قریب پہنچکر شوخی دکھانے لگے جن کو شکست دے دے کر بھگا دیا گیا۔

اس قضیہ کو طے کرنے اور خان جہاں کو واپس لے جانے کے لیے مان سنگھ،

خواجہ ابو الحسن اور دوسرے سرداروں نے یہ تدبیر سوچی کہ ایک دستاویز تیار کی جائے۔ چنانچہ اس مضمون کی دستاویز لکھی گئی کہ خان جہاں واپسی پر کسی طرح رضامند نہیں ہوتے ہم مفادِ سلطنت اور شاہی مقاصد کو مدنظر رکھ کر مصلحت اسی میں سمجھتے ہیں کہ یہاں سے واپس لوٹ چلیں اور دولت آباد کی طرف ہرگز قدم نہ بڑھائیں ہم سب مجبور کر کے خان جہاں کو واپس لیے جاتے ہیں اگر ہماری اس واپسی کو بادشاہ نے ناپسند کیا تو ہم ہی شاہی عتاب کے مورد ہوں گے خان جہاں پر اُس کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ یہ تحریر بطور دستاویز خان جہاں کو سپرد کی جاتی ہے۔ جب سب کے دستخطوں سے مکمل ہو کر یہ تحریر خان جہاں کے روبرو پیش ہوئی تو وہ واپسی پر آمادہ ہوا۔ لیکن ابھی کوچ نہ ہوا تھا کہ ملکاپور سے شہزادہ کی تحریر پہنچی کہ احمد نگر کی نظام شاہی حکومت نے بیجاپور کی عادل شاہی سلطنت کے ذریعہ سے صلح کی درخواست بھیجی ہے اور دربار بیجاپور سے سفارت ہمارے پاس پہنچی ہے۔ عارضی طور پر جنگ ملتوی کر کے تمام سردار و امرا مع فوج ملکاپور واپس آجائیں تاکہ صلح کے معاملے میں مشورہ کیا جا سکے۔ چنانچہ سب ملکاپور پہنچے اور صلح نامہ مرتب ہوا۔ اسی قصبہ ملکاپور میں جبکہ صلح نامہ کی تحریر

تکمیل ہو رہی تھی ۲۰ ماہ محرم ۱۰۲۰ھ کو حبیب اللہ ہروی،
خان جہاں لودی کے ملازم نے کتاب مخزن افغانی لکھنی شروع کی اور
۱۰ محرم ۱۰۲۱ھ کو برہان پور میں یہ کتاب ختم کی۔ صلحنامہ کی تحریر و
تکمیل کے بعد شہزادہ پرویز ملکاپور سے روانہ ہو کر آخر ماہ محرم ۱۰۲۰ھ
کو مع امرا برہان پور پہنچ گیا۔ ماہ ربیع الاول ۱۰۲۱ھ تک خان جہاں
لودی برہان پور میں شہزادہ پرویز کے ہمراہ رہا۔ ۲۔ ربیع الاول ۱۰۲۱ھ
کو شاہی حکم کے بموجب خان جہاں لودی صوبۂ برار کا گورنر مقرر ہو کر
برہان پور سے ایلچ پور کی جانب روانہ ہوا۔ بادشاہ جہانگیر نے
صوبۂ برار کی گورنری کا فرمان اپنے قلم سے لکھ کر مع خلعت و شمشیر
روانہ کیا تھا۔ اُس زمانہ میں صوبۂ برار سرحدی صوبہ تھا اور اس
صوبہ کی حکومت پر سب سے زیادہ ذی ہوش و معتمد اور
طاقتور شخص کی ضرورت تھی۔ اسی سال بماہ شعبان شبِ جمعہ
ایلچپور میں خان جہاں کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خواب
میں زیارت ہوئی۔ خان جہاں نے صبح بیدار ہو کر اس خوشی میں
اپنا تمام مال و اسباب غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کر دیا۔ ایلچپور
میں خان جہاں ذیحجہ ۱۰۲۲ھ تک مقیم رہا۔ اور اس سرحدی صوبہ کا
نہایت اچھا انتظام کیا۔ یہاں اُس کے پاس بہت سے علما و

صلحا وصوفیا جمع ہو گئے تھے۔ اس نے اپنے اوقات کا بڑا حصّہ عالموں اور باخدا لوگوں کی صحبت میں گزارا۔ ایلچپور میں جہانگیر کا شقّہ جو بادشاہ نے اپنے قلم سے لکھا تھا خان جہاں کے پاس پہنچا جس کے الفاظ یہ تھے:۔

"فرزند سعادت مند صاحب اقبال گوہر درج دولت و اجلال منظور النظر مرید با اعتبار خان جہاں باستفاضہ انوار خاطر دانش آرائے منظور و ملحوظ بودہ خاطر اشرف اقدس ما را انگران خود شناسد و چوں مہمات دکن عمدة الملک رکن السلطنت خانخاناں سپہ سالار و ابستہ بالفعل مہمے کہ باعث توقف آں فرزند باشد درمیان نیست باید کہ خود را متوجہ درگاہ سازد و اگر دریں باب تعلل نماید بعد ازیں بطلب او چیزے نوشتہ نخواہد شد"

اس شاہی شقہ کے پہنچنے پر بھگوانداس وکیل سلطنت نے جو ایلچپور میں مقیم تھا خان جہاں کو مشورہ دیا کہ شاہزادہ پرویز اور خانخاناں سے ضرور مشورہ لینا چاہیے۔ خان جہاں نے برہانپور میں شاہزادہ کو اطلاع دی۔ شاہزادہ نے خان جہاں کو فوراً لکھا کہ تم ایلچپور کو ہرگز نہ چھوڑو میں بادشاہ کو تمہاری نسبت لکھتا

ہوں کہ خان جہاں کا ایلچپور سے جدا ہونا فی الحال کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ شاہزادہ کی تحریر کے دربار میں پہنچنے اور خان جہاں کے نہ آنے پر خان جہاں کے حاسدوں کو باتیں بنانے اور جھوٹی شکایتیں کرنے کا خوب موقع ملا۔ اور بادشاہ کو یقین دلایا گیا کہ خان جہاں خود ہی دربار میں آنا نہیں چاہتا کیونکہ شاہانِ دکن سے اُس نے تعلقات دوستی قایم کر لیے ہیں۔ جہانگیر کے دل پر بدگویوں کی باتوں کا اس قدر اثر ضرور ہوا کہ اُس نے خان جہاں کو برار کی صوبہ داری سے گجرات کی حکومت پر تبدیل کر دیا اور تبدیلی کے فرمان میں لکھا کہ گجرات کا صوبہ برار کے صوبہ سے بہتر ہے اور وہاں کولی اور بھیل قوم کے متمردوں نے جو پہاڑوں میں مسکن گزیں ہیں سرکشی اور بے راہ روی اختیار کی ہے تم ہی وہاں پہنچ کر اُن کا علاج بخوبی کر سکو گے۔ چنانچہ خان جہاں ایلچپور سے روانہ ہو کر اول برہان پور شاہزادہ پرویز کی خدمت میں پہنچا۔ پھر وہاں سے گجرات کی طرف روانہ ہوا۔

شاہزادہ کو خان جہاں سے بہت محبت ہو گئی تھی اور وہ اُس کو اپنے پاس سے جدا کرنا نہ چاہتا تھا۔ خان جہاں نے گجرات پہنچ کر قلعہ تھالینر میں قیام کیا اور چند روز میں وہ ملک ہر قسم کے فتنوں سے پاک ہو گیا۔ خان جہاں ڈیڑھ سال گجرات میں رہا اس کے بعد

شہزادہ پرویز نے پادشاہ کی خدمت میں عرضداشت بھیجی کہ خان جہاں کے اب گجرات میں رہنے کی ضرورت نہیں رہی میری خواہش ہے کہ خان جہاں کو میرے پاس برہان پور میں رہنے کی اجازت دیدی جائے۔ جہانگیر نے شہزادہ کی اس درخواست کو منظور کر لیا۔ اور خان جہاں ۲۷۔ شعبان ۱۰۳۳ھ کو تھا لیز سے روانہ ہو کر یکم رمضان کو برہان پور میں شہزادہ کے پاس پہنچ گیا۔ خان جہاں کو شاہزادہ پرویز کے پاس برہان پور آئے ہوئے نو مہینے گزرے تھے کہ نور جہاں بیگم نے جہانگیر کو اس بات پر مجبور کیا کہ خان جہاں کو برہانپور سے دارالسلطنت میں بلوایا جائے۔ چنانچہ جہانگیر نے پھر خان جہاں کو خط لکھ کر شوق ملاقات کا اظہار کیا اور اپنے پاس بلایا۔ اس مرتبہ شہزادہ پرویز کی تمام تدبیریں اور کوششیں بیکار ثابت ہوئیں جہانگیر کی طرف سے طلبی کے فرامین پیہم پہنچے اور ۴۔ جمادی الثانی ۱۰۳۴ھ کو خان جہاں برہان پور سے اجمیر کی طرف جہاں جہانگیر مقیم تھا روانہ ہوا۔ شاہزادہ پرویز نے خان جہاں کو بادلِ ناخواستہ بچشم پُر آب رخصت کیا۔ خان جہاں جب اجمیر سے دو تین منزل پر پہنچا تو جہانگیر نے شاہزادہ خورم (شاہجہاں) کو استقبال کے لیے روانہ کیا اور خلعت و اسپ خاصہ معتمد خاص کے

ذریعہ بھجوایا۔ جب اجمیر سے ایک منزل پر پہنچا تو پادشاہ نے اعتماد الدولہ پدر نور جہاں اور آصف خاں وزیر اعظم اور مہابت خاں کو جو سب سے بڑے امیر تھے استقبال کے لیے روانہ کیا۔ اجمیر میں خان جہاں کے لیے نہایت شاندار خیمہ و سراپردہ استادہ کرایا گیا۔ نور جہاں نے مٹھائیاں اور فواکہات اور پادشاہ نے مطبخ خاص سے انواع و اقسام کے کھانے بھجوائے لحظہ بلحظہ پادشاہ کی طرف سے کوئی نہ کوئی تحفہ پہنچتا رہا۔ نماز عصر کے بعد خان جہاں پادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پادشاہ نے دُور سے دیکھتے ہی فرمایا کہ "بابا خان جہاں خوش آمدی پیش بیا" جب خان جہاں تخت شاہی کے قریب پہنچا تو پادشاہ نے گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر خان جہاں سے معانقہ کیا اور اُس کی پیشانی کو بوسہ دیا پھر نہایت محبّت اور خصوصی التفات کے ساتھ حالات سفر اور خیریت دریافت کرتا رہا۔ خان جہاں نے نذرانے اور تحفے جو بہت قیمتی تھے پیش کیے۔ رات کو پھر بادشاہ نے صحبت خاص میں طلب کیا اور ہر قسم کی گفتگو دیر تک ہوتی رہی۔

یہاں تک خان لودی کے جو حالات لکھے گئے ہیں وہ زیادہ تر حبیب اللہ ہروی مصنف مخزن افغانی کی تحریر سے ماخوذ ہیں

جو چشم دید راوی اور عینی شاہد ہے۔ حبیب اللہ ہروی کا بیان خان جہاں کو جہانگیر کے پاس بمقام اجمیر پہنچاکر ختم ہو جاتا ہے اور یہیں تک خان جہاں کے عروج و اقبال کا زمانہ سمجھنا چاہیے۔ آگے چلکر زوال شروع ہونے والا ہے)

خان جہاں کی زندگی کا نصف آخر

خان جہاں لودی ایک بہادر، باوفا، اور یکرنگ و یک رُخ انسان تھا۔ دربار سلطنت اس زمانے میں سازشوں کا آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ آصف خاں وزیر اعظم چاہتا تھا کہ جہانگیر کے بعد اُسکا داماد شاہزادۂ خورم (شاہجہاں) تخت نشین ہو۔ اُس کی بہن نورجہاں بیگم جو سلطنت کے کاموں میں دخیل اور جہانگیر کے دل پر قابض تھی، شہزادۂ شہریار کو جہانگیر کے بعد پادشاہ بنانا چاہتی تھی۔ شہزادۂ پرویز کو خود جہانگیر نے ولیعہد بنایا تھا اور خان جہاں لودی وخان خاناں وغیرہ امرا اُس کے طرفدار تھے۔ نورجہاں نے خان جہاں کو بُرہان پور سے اسی لیئے بلوایا تھا کہ اُس پر اثر ڈال کر شہریار کا ہوا خواہ و معاون بنائے۔ آصف خاں اس کوشش میں تھا کہ خان جہاں کو خورم کا طرفدار بنائے۔ جہانگیر کے سامنے جب دکن کے معاملات پر خان جہاں کی موجودگی میں گفتگو چھڑی تو سارا دربار

شہزادہ پرویز کا مخالف نظر آیا۔ اُس کی بُرائیاں نورجہاں اور
آصف خاں دونوں کے طرفداروں نے یک زبان ہوکر بیان
کرنی شروع کیں اور خان جہاں سے جو سب سے بہتر اور ثقہ گواہ ہوسکتا
تھا تائید چاہی۔ اگر خان جہاں دوسرے امیروں کی طرح زمانہ ساز
اور چالاک شخص ہوتا تو یہ رنگ دیکھ کر کم از کم خاموش ہی رہتا،
لیکن وہ اس قسم کا آدمی نہ تھا۔ اُس نے نہایت جرارت کے ساتھ
شہزادہ پرویز اور خانخاناں کی خوبیاں بیان کرکے نہ صرف اُس کی
بے گناہی بلکہ مستحق ستایش ہونے کے زبردست دلائل اس خوبی
سے بیان کیے کہ سب ہونٹ چاٹتے رہ گئے۔ ایک روز شہزادہ خورم
(شاہجہاں) نے دربار خاص کی بے تکلف صحبت میں موقع پاکر بادشاہ
سے استدعا کی کہ مجھ کو دکن کا ناظم بنا کر شہزادہ پرویز کی جگہ بُرہانپور
بھیجد یجیے مَیں ایک ہی سال میں سلطنت احمد نگر اور سلطنت
بیجاپور کو فتح کرکے ممالک محروسہ میں شامل کردونگا۔" آصف خاں
وزیر اعظم نے اس کی تائید کی لیکن خان جہاں لودی نے بلا تامل
شہزادہ خورم کو اس طرح مخاطب کیا کہ "یہ کلام آپ کی شان کے بالکل
خلاف اور نہایت گستاخانہ ہے۔ آپ اپنے بڑے بھائی کی تحقیر کررہے
ہیں اور چھوٹے ہوکر بڑے پر فضیلت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کو

ہرگز کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی" خان جہاں کے یہ بیباکانہ الفاظ اگرچہ جہانگیر کو ناگوار نہیں گزرے لیکن شہزادہ خورم (شاہجہاں) کے لیے تیر و خنجر سے ہرگز کم نہ تھے۔ نہ صرف خورم بلکہ آصف خاں وزیر اعظم کے دل میں بھی خان جہاں کے ان الفاظ نے ناسور ڈال دیے۔ اور خان جہاں کے یہی الفاظ اُس کی تباہی کا باعث ہوئے۔ نور جہاں بھی اس سپاہی پیشہ آزاد منش اور صاف گو سردار سے مایوس ہوگئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سب نے کوشش کر کے خان جہاں کو گجرات کی حکومت پر اور شہزادہ پرویز کو برہان پور سے جدا کرا کر بنگالہ کی حکومت پر بھجوا دیا۔ شہزادہ پرویز کا سب سے بڑا دوست اور معاون خان جہاں لودی تھا۔ جب اُس کی دوستی کو دشمنی میں تبدیل نہ کیا جا سکا تو ایک کو مشرق اور دوسرے کو مغرب میں بھجوا دیا گیا تاکہ ایک دوسرے کو کوئی امداد نہ پہنچا سکے۔ اس کام سے فارغ ہو کر بہن اور بھائی یعنی نور جہاں اور آصف خاں کی سازشی معرکہ آرائی خوب زور شور سے شروع ہوئی۔ نور جہاں نے مہابت خاں کو تقویت پہنچا کر اپنا آلۂ کار بنایا۔ آصف خاں نے بوڑھے سردار خان خاناں اور اُس کے بیٹوں کو اپنی طرف توڑ لیا۔ مگر دونوں کے لیے یہ دونوں سردار کچھ کارآمد ثابت نہ ہوئے

آخر وہ وقت آ گیا کہ شہزادۂ خورم نے سرکشی اختیار کی۔ وہ جب بنگالہ کی طرف پہنچا تو شہزادۂ پرویز کو مہابت خاں کے ذریعہ امداد پہنچائی گئی۔ پرویز کے مقابلہ میں خورم کو سخت ہزیمت اُٹھانی پڑی۔ وہاں سے وہ دکن کی جانب متوجہ ہوا تو شاہی حکم کے موافق پرویز بنگالہ کی حکومت مہابت خاں کو سپرد کر کے اُس کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ یہ سب نور جہاں کی تدبیریں تھیں کہ پرویز کو بنگالہ کی حکومت سے بھی جدا کر دیا گیا ورنہ خرم کے تعاقب میں مہابت خاں بھی جا سکتا تھا۔ شہزادۂ خورم نے جب احمد نگر کی فوجوں کے ساتھ برہان پور کا محاصرہ کیا تو خان جہاں لودی کا سب سے بڑا دوست اور دستِ راست لودی خاں نامی سردار جو برہان پور میں موجود تھا لڑائی میں مارا گیا۔ شہزادۂ پرویز نے بنگالہ سے برہان پور پہنچکر شہزادۂ خورم کو شکست دے کر بالکل بے ساز و سامان بنا دیا۔ برہان پور سے بحالت تباہ شہزادۂ خورم ٹھٹہ کی جانب اس ارادہ سے آیا کہ ملک ایران کی طرف چلا جائے۔ شہزادۂ پرویز نے شہزادۂ خورم کو بھگا کر برہان پور میں قیام کیا اور جہاں سے اُس کو بیدخل کر کے بنگالہ کی طرف بھیجا تھا پھر وہیں پہنچ گیا۔ آصف خاں اپنے داماد شہزادۂ خورم کی

اس خطرناک حالت سے بے خبر نہ تھا۔ اُس کے توڑ جوڑ عین وقت پر کام آئے۔ اُدھر مہابت خاں جو بنگال پر حکومت کر رہا تھا آصف خاں سے مل گیا اِدھر شاہزادۂ پرویز برہان پور میں مرگِ مفاجات کا شکار رہوا۔ شہزادۂ پرویز کے یکایک فوت ہوجانے پر حیرت تو سب کو ہوئی مگر اُس کی وفات کا اصلی سبب کسی کو معلوم نہ ہوسکا۔ مہابت خاں نے بنگال میں سرکشی کا اظہار کیا۔ ان واقعات نے بچھی ہوئی شطرنج کی چالوں میں تغیرِ عظیم پیدا کردیا۔ خورم ایران کا ارادہ فسخ کرکے دکن کی جانب چلا گیا۔

پرویز کے مرتے ہی خان جہاں لودی کی جانب سے اب کسی کو کوئی اندیشہ نہ رہا تھا۔ خورم نے خان جہاں لودی صوبہ دار گجرات کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ سفارش کرکے پادشاہ سے میری خطائیں معاف کرا دیں۔ اُدھر مہابت خاں نے پادشاہ کی خدمت میں عفو تقصیرات کی درخواست بھیجی۔ دونوں کی خطائیں معاف ہوئیں۔ خورم (شاہجہاں) تو دکن کی جانب رہا۔ مہابت خاں کو بنگالہ سے دربار شاہی میں طلب کیا گیا۔ خان جہاں لودی کو ناظم دکن بنا کر گجرات سے برہان پور تبدیل کیا گیا۔

مہابت خاں جو پہلے نور جہاں کے اشاروں پر کام کرتا تھا

اب آصف خاں کے مقاصد کا مؤید تھا۔ وہ بنگالہ سے خوب مستعد ہوکر اور راجپوتوں کی تازہ فوج بھرتی کرکے اپنے ہمراہ لے کر حاضر ہوا اور غالباً آصف خاں کے مشورہ اور سازش سے جہانگیر کو قید کر لیا۔ مہابت خاں کی قید سے آزاد ہوکر جہانگیر کا جلدی ہی یعنی ماہ صفر ۱۰۳۷ھ میں انتقال ہوگیا۔ شہریار تخت نشین ہوکر مارا گیا اور ہندوستان کی حکومت شہزادہ خورم کے حصّہ میں آئی جو شاہجہاں کے نام سے ہندوستان کا مشہور بادشاہ ہوا۔

شاہجہاں نے تخت نشین ہوکر تمام امرا کے مناصب و مراتب بلند کیے۔ آصف خاں بدستور وزیراعظم اور مدارالمہام سلطنت رہا۔ مہابت خاں کو خان خاناں کا خطاب ملا۔

خان جہاں لودی کی باتیں بادشاہ اور وزیر دونوں کو یاد تھیں۔ اُس کا استیصال فوراً مناسب نہ سمجھ کر اول صرف یہ انتظام کیا گیا کہ خان جہاں کو برہان پور سے مالوہ کی صوبہ داری پر تبدیل کرکے مہابت خاں خانخاناں کو ناظم دکن بنایا گیا اور خان خاناں کو حکم دیا گیا کہ تم اپنی طرف سے اپنے بیٹے خان زماں کو برہان پور بھیجدو۔ خان جہاں برہان پور سے مالوہ آکر ابھی اطمینان سے بیٹھنے نہ پایا تھا کہ جھجھار سنگھ ابن نرسنگدیو بندیلہ نے علامات سرکشی کا

اظہار کیا۔ اُس کی سرکوبی کے لیے خان جہاں کے پاس حکم پہنچا اور بعض
دوسرے امرائے شاہی بھی اس مہم پر مامور ہوئے۔ خان جہاں نے اس
مہم میں حسب توقع اپنی شجاعت و قابلیت کا اظہار کیا۔ بندیلہ مذکور
کو عاجز کرکے حکم شاہی کے موافق اُس کے مقبوضہ علاقہ کا بڑا حصّہ اُس
سے جدا کر لیا گیا۔ اور بھاری نذرانہ وصول ہونے کے بعد اُس کی
خطا معاف ہوئی۔ خان جہاں لودی کا یہ کارنامہ سنہ جلوسِ
اول شاہجہانی میں ظہور پذیر ہوا لیکن اُس گرہ کو جو اُس کی طرف
سے شاہجہاں کے دل میں بیٹھی ہوئی تھی نہیں کھول سکتا تھا۔ امرائے
دربار بھی مع آصف خاں وزیر اعظم درپئے انتقام تھے۔ ایسے
بے عذر، بہادر اور شمشیر برہنہ شخص کو کسی خطرناک مہم اور ہلاکت
کے مقام میں بھیجکر اُس کا قصّہ پاک کرا دینا کوئی دشوار کام نہ تھا،
اور بادشاہ ہر قسم کی بد نامی اور مردم ناشناسی کے الزام سے محفوظ رہ سکتا
تھا لیکن اس طرح خان جہاں لودی کی شہرت و عزت کو کوئی نقصان
نہ پہنچتا اور وزیر و بادشاہ دونوں کے جذبہ انتقام کو پوری تسکین
حاصل نہ ہوتی لہذا اب خان جہاں کو زیادہ مہلت نہیں دیجا سکتی
تھی۔ اُسے آگرہ طلب کیا گیا یا وہ خود جھجھار سنگھ بندیلہ کی مہم سے
فارغ ہوکر رسم تہنیت ادا کرنے آیا۔ بادشاہ بظاہر عزت کے

ساتھ پیش آیا لیکن صوبہ مالوہ کی طرف واپس جانے کی اجازت اور رخصت نہیں دی گئی وہ چند روز آگرہ میں مقیم اور روزانہ دربار شاہی میں حاضر ہوتا رہا۔ کسی صوبہ دار کو اُس کے صوبہ کی طرف جانے کے لیے رخصت نہ کرنا معمولی بات نہ تھی۔ خان جہاں اس طرزِ عمل سے پہلے ہی اندیشہ مند تھا کہ اسی اثنا میں اُس کو معلوم ہوا کہ وہ مع اہل وعیال گرفتار ہو کر گُتّے کی موت مارا جائیگا۔ یہ سُن کر خان جہاں بہت پریشان ہوا۔ اُس نے اپنے دروازے کے سامنے پٹھانوں کی فوج کا جو اُس کے ہمراہ تھی پہرہ مقرر کرکے دربار میں جانا ترک کر دیا۔ منتخب اللباب کا مصنف لکھتا ہے کہ مخلص خاں کے بیٹے نے جو خان جہاں کے بیٹے کا دوست تھا محض دل لگی اور مذاق کے طور پر یہ کہا تھا کہ خان جہاں کو بہت جلد قرار واقعی سزا ملنے والی ہے۔ یہی باعث خان جہاں کے وہم کا ہوا۔ مگر یہ مورخ موصوف کی دل لگی اور شاہجہاں کی غیر مفید وکالت ہے۔ خانجہاں لودی کوئی جنگلی، پہاڑی، وحشی یا گنوار آدمی نہ تھا کہ اس طرح لڑکوں کی گفتگو اور دل لگی کی باتوں میں آکر ایسی غیر معمولی حرکت کا ارتکاب کرتا۔ وہ اول درجہ کا امیر، خان جہاں، فرزند شاہ کے خطاب سے مخاطب اور دکن کے چار صوبوں کا وایسرائے رہ چکا تھا

جہانگیر کے دربار میں اُس کی سب سے زیادہ عزت و توقیر تھی۔ وہ عبدالرحیم خانخاناں، مرزا عزیز کوکہ، مان سنگھ، شہزادہ پرویز کی سفارشیں کرکے شاہی عتاب سے اُن کو بچا چکا تھا۔ جہانگیر کے خاص الخاص مشوروں میں دوسرے تمام وزرا سے بڑھکر اپنے صائب الرائے ہونے کا ثبوت پیش کرتا رہا تھا۔ وہ صاحب السیف والقلم تھا۔ یعنی شجاعت و بہادری کی مخصوص صفت کے علاوہ علم و فضل سے بھی بے نصیب نہ تھا۔ اُس کی ساری عمر میدان جنگ میں سپاہ لارتی اور درباروں میں بادشاہ کی مصاحبت و ندیمی کرتے ہوئے گزری تھی۔ شہزادوں اور وزیروں کی صحبت اُس کو ہمیشہ رہی تھی۔ وہ خود دل کا صاف، زبان کا سچا، قول کا پکّا اور وعدہ کا وفا کرنے والا تھا لیکن دُنیا داروں کی چالاکیوں اور دھوکہ بازیوں کو ساری عمر دیکھتا رہا تھا۔ ایسے شخص کی نسبت یہ کہنا کہ اُس نے ایک لڑکے سے دل لگی کی بات سُن کر بلا وجہ دربار کا جانا ترک کر دیا اور اپنے دروازہ پر اپنے ہم قوم پٹھانوں کا پہرہ مقرر کیا سب سے زیادہ مسنخر انگیز بات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خان جہاں کو ہلاک اور ذلیل کرنے کے منصوبے مکمل ہو چکے تھے۔ خان جہاں کو اس کی صحیح خبریں ضرور معلوم ہو چکی تھیں۔ کوئی دوسرا کم ہمت شخص ہوتا تو

بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے چھری کے نیچے گردن رکھ دیتا۔ یا خان جہاں
اگر حقیقتاً اپنے آپ کو خطا وار جانتا تو خود ہی ہر قسم کی سزا برداشت
کرنے پر آمادہ ہو جاتا۔ لیکن وہ چونکہ اپنے آپ کو بالکل بے خطا یقین
کرتا تھا۔ لہذا آخر وقت تک مدافعت اور بہادروں کی طرح جان
دینے پر آمادہ ہو گیا۔ منتخب اللباب کی روایت ہے کہ شاہجہاں کو
جب خان جہاں کے اس طرح گوشہ نشین ہونے کا حال معلوم ہوا تو
اُس نے اسلام خاں کو تسلی کے لیے بھیجا اور اس کو ہر قسم کا اطمینان
دلایا۔ چنانچہ خان جہاں پھر بدستور دربار میں آنے لگا۔ مگر چند روز
کے بعد بعض مصاحبوں نے خان جہاں کو یقین دلایا کہ یہ چند روزہ
ڈھیل مصلحتاً دی گئی ہے اور ہلاکت بہت قریب ہے۔ مصاحبوں
کے اس بیان کو بھی منتخب اللباب میں غلط ہی بتایا گیا ہے لیکن
یہ عجیب بات ہے کہ ہر شخص خان جہاں ہی سے دل لگی کرتا تھا
اور لطف یہ کہ آیندہ کے واقعات سے یہ تمام دل لگی کی باتیں حقیقت
واصلیت کے سانچے میں ڈھل جاتی ہیں۔

شجاعت و بہادری کے حیرت انگیز کارنامے

آخر ایک روز رات کو دو گھڑی رات گئے خان جہاں آگرہ
سے روانہ ہوا جس کی تفصیل خافی خاں نے ان الفاظ میں بیان

کی ہے۔

"شبے از شبہا بعد انقضائے دو ساعت نجومی باسائر متعلقان صغیر و کبیر کہ بعضے را بر فیلان و برخے را بر اسپان بر قع پوش سوار نمودہ جریدہ خانہ بدوش گشتہ مع دو ہزار سوار افغان جرار کہ اکثر آں از خویش و تبار و یکجان و دو قالب بودند و دوازدہ نفر فرزندان و داماد و دو صد سہ صد پیادہ وشاگرد پیشہ ہواخواہ قدیمی از آگرہ نقارہ وطبل زنان بر آمدہ مرحلہ پیمائے تیہ حیرانی گردید"

شاہجہاں کو خان جہاں کے اس طرح آگرہ سے فرار ہونے کا حال معلوم ہوا اُس نے فوراً خواجہ ابوالحسن۔ خدمت پرست خاں عرف رضا بہادر میر آتش۔ سید مظفر خاں بارہہ۔ نصیر خاں۔ خواص خاں بھٹی۔ مرحمت خاں بخشی۔ راجہ بیٹھلداس سہ ہزاری پسر راجہ گوپالداس۔ راجہ پرتھی راج۔ معتمد خاں۔ خان زماں۔ رائے رایان۔ راجہ جے سنگھ وغیرہ بیس مشہور سرداروں کو تیس چالیس ہزار فوج اور زبردست توپخانہ کے ساتھ خان جہاں کے تعاقب میں روانہ کیا۔ شاہجہاں کو جب خان جہاں کے روانہ ہونے کا حال معلوم ہوا تو اُس کے چار گھڑی یعنی ڈیڑھ گھنٹے بعد یہ فوج آگرہ سے روانہ ہو چکی تھی۔ سوچنے کے قابل بات یہ ہے کہ صرف دو ہزار

پٹھانوں کی فوج کے تعاقب میں بنیں بڑے بڑے سپہ سالار ایک عظیم الشان لشکر اور زبردست توپخانہ لے کر روانہ ہوتے ہیں۔ آدھی رات کا وقت ہے جبکہ سب آرام میں ہیں۔ اسقدر جلد اس لاؤ لشکر کا مرتب و مسلح ہو کر روانہ ہو جانا یہ شبہ پیدا کرتا ہے کہ یہی رات خانجہاں کے گرفتار و قتل کرنے کے لیے پہلے سے مقرر ہو چکی تھی۔ اور یہ تمام سردار مع اپنی اپنی فوج اور توپخانہ کے پہلے سے مستعد اور حکم کے منتظر تھے کہ حکم پاتے ہی خان جہاں کے مکان کا محاصرہ کر لیں۔

خان جہاں کو اتفاقاً تھوڑی دیر پہلے اس کا علم ہوا اور وہ نہایت سراسیمگی کے عالم میں اپنا ننگ و ناموس بچانے کے لیے اس طرح روانہ ہوا کہ عورتوں کو برقعے پہنا کر گھوڑوں پر سوار کرنا پڑا۔ اگر اُس کو پہلے سے اس کا علم ہو گیا ہوتا تو یہ کچھ بھی دشوار نہ تھا کہ وہ کم از کم اتنے ہاتھی فراہم کر لیتا کہ عورتیں اُن پر سوار ہو سکتیں۔ یا وہ اپنی کوئی جائے پناہ متعین کر کے عورتوں کو پہلے سے وہاں بھیجدیتا۔ لیکن آیندہ پیش آنے والے واقعات سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے کہ خان جہاں اپنے لیے کوئی جائے پناہ اور منزل مقصود متعین کیے بغیر آگرہ سے روانہ ہوا تھا۔ خان جہاں کی ہیبت اور اُس کا رعب شاہجہاں کے دل پر کس قدر چھایا ہوا تھا اس کا اندازہ صرف اس

بات سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ دو ہزار کے چھوٹے سے لشکر کو جس کے ساتھ عورتیں، بچے، مال و اسباب اور شاگرد پیشہ لوگ بھی تھے اس قدر خطرناک تصور کیا گیا تھا کہ مذکورہ عظیم الشان لشکر کو بھی جو رات ہی میں روانہ ہو چکا تھا کافی نہ سمجھ کر صبح اُٹھتے ہی شاہجہاں نے آگرہ سے پیہم کمکی فوجیں بھیجنی شروع کر دیں۔ خان جہاں کی بہادری و سپہ سالاری کے مرتبے کو سمجھنے کے لیے مذکورہ تصور سے بہت کچھ روشنی حاصل ہو سکتی ہے۔ خان جہاں کے دل گردہ کا اس بات سے بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ آگرہ سے چوروں کی طرح نہیں بھاگا بلکہ نقارہ بجاتا ہوا چلا۔

جنگِ چمبل

آگرہ سے اٹھارہ کروہ (کوس) کے فاصلہ پر جبکہ خان جہاں دریائے چمبل کو عبور کرنے کے لیے کشتیاں فراہم کر رہا تھا اور سورج افق مشرق سے کچھ تھوڑا ہی بلند ہوا تھا کہ مذکورہ شاہی لشکر پہنچ گیا۔ خان جہاں نے اس عجلت میں عورتوں اور بچوں کو دوسرے کنارے پر پہنچایا اور خود دریا کے اسی طرف رُک کر حملہ آور فوج کا مقابلہ کیا۔ وہ تماشا دیکھنے کے قابل ہو گا جبکہ نہایت گرانبار بے معین و مددگار مٹھی بھر فوج اس عظیم الشان شاہی لشکر کے مقابلے میں جس کی پُشت پر کمکی فوجوں کا تانتا بندھا ہوا تھا مصروف جنگ ہوئی ہو گی۔

خان جہاں کے لیے یہ اور بھی نازک موقع تھا کہ اُس کی پشت پر دریا تھا۔ نہ اِدھر اُدھر حرکت کرنے کا موقع تھا، نہ کسی امداد کی توقع تھی۔ مگر شاہی لشکر کا سیلاب ان مٹھی بھر افغانوں سے ٹکرایا تو معلوم ہوا کہ دریائے چمبل کے کنارے کوئی ریتی کی دیوار نہیں بلکہ فولادی قلعے کی دیوار یا سنگ خارا کا ایک پہاڑ تھا۔ پانی کا سیلاب جب پہاڑ سے ٹکراتا ہے تو شور بلند ہوتا ہے۔ یہاں بھی غلغلِ لشکر سے میدان گونج اُٹھا۔ بہادری و مردانگی نے اپنے پورے حُسن و جمال کا تماشا دکھایا۔ شجاعت نے مردوں کے مُنہ چومے تہور نے تڑپتی ہوئی لاشوں کو چھاتی سے لپٹا لیا۔ خون کی بارش نے صفحۂ زمین کو زرافشاں بنایا اور مقتولوں کی خوں فشاں لاشوں نے اُس پر بیل بوٹے بنائے دریا کے دوسرے کنارے پر کھڑی ہوئی عورتیں اپنے شوہروں، بھائیوں اور بیٹوں کی جاں فشانیوں کو سکتے کے عالم میں دیکھ رہی تھیں اور دریائے چمبل کا آبِ رواں اب سُریلی آواز میں اس طرح نغمہ خواں تھا:

بہادر جو نامی ہیں وقتِ ستیز
بدن میں نہیں رکھتے پاسے گریز

اس ستیز و آویز کا نتیجہ یہ ہوا کہ خان جہاں کے دو بیٹے عظمت خاں و حسین خاں، ایک داماد شمس خاں اور شمس خاں کے دو بھائی محمد خاں و

محمود خاں کل پانچ قابل تذکرہ سردار اور کل ستّر پٹھان کشتوں کے پُشتے لگاکر شجاعت و مردانگی کا آخری مرحلہ طے کر گئے اور سُرخروئی کے ساتھ اس جہان فانی سے عالم جاودانی کی جانب رخصت ہوئے۔ ان پانچوں مذکورہ سرداروں کی نسبت پٹھانوں کے مخالف اور غیر ہمدرد مورخ خافی خاں کے الفاظ یہ ہیں کہ

"ہر پنج پنجۂ شیر ژیان را از دبرد رنجہ می داشتند و در معرکۂ مصاف فیل دماں را اماں نمی دادند"

خان جہاں کے مذکورہ نقصان کو مد نظر رکھتے ہوئے شاہی لشکر کے نقصانات پر بھی غور کرو خدمت پرست خاں میر آتش۔ سید محمد نبیرہ سید مظفر خاں بارہہ۔ سید محمد شفیع نبیرہ سید مظفر خاں بارہہ۔ راجہ بیٹھلداس کے دو بھائی۔ سادات بارہہ کے ۱۹ اردشناس بہادر۔ کئی راجپوت سردار۔ ستّر مغل سردار جان سے مارے گئے۔ اور راجہ بیٹھلداس۔ راجہ پرتھی راج۔ سید مظفر خاں بارہہ۔ خواص خاں بھٹی ایسے زخمی ہوئے کہ لاشوں میں سے زندہ نکالے گئے اور کئی کئی مہینے کے علاج معالجہ کے بعد اُٹھنے اور چلنے پھرنے کے قابل ہوئے۔ شاہی لشکر کے تمام مقتولین کی کوئی صحیح تعداد نہیں بتائی جا سکتی۔ لیکن انکی تعداد کا اندازہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ خان جہاں لودی اس شاہی لشکر کا

دریائے چمبل کے کنارے سنتھراؤ کرکے دریائے چمبل کے پار ہوکر روانہ ہوا ہے تو اگلے روز یعنی لڑائی ختم ہونے اور خان جہاں کے دریا سے عبور ہو کر روانہ ہونے کے بعد ۱۲ گھنٹے تک بقیۃ السیف شاہی لشکر کو لاشوں کے دفن کرنے سے فرصت نہ ملی۔ آگرہ سے تازہ دم فوجیں بھی پہنچ گئیں اور اگلے روز دوپہر کو شاہی لشکر دریائے چمبل کو عبور کرکے خان جہاں کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ مذکورہ زخمیوں کو دھولپور میں چھوڑا اور گوالیار کی طرف روانہ ہوا۔ خان جہاں گوالیار، چندیری، بندیل کھنڈ ہوتا ہوا گونڈوانہ پہنچا۔ شاہی لشکر کے دل پر خان جہاں کی ایسی ہیبت چھائی ہوئی تھی کہ وہ خان جہاں سے دُور ہی دُور پیچھے پیچھے رہا۔ گونڈوانہ سے خان جہاں احمد نگر کی سلطنت نظام شاہی میں داخل ہوا۔ اور دولت آباد پہنچ کر قیام کیا۔ شاہی لشکر مالوہ کے پہاڑوں اور جنگلوں کو طے کرتا اور خان جہاں کا سراغ لگاتا ہوا بگلانہ پہنچ کر مقیم ہوا۔ شاہجہاں کو اطلاع دی گئی کہ بغیر آپ کے تکلیف فرمائے کام نہیں چلے گا۔ بہتیجہ اس، پرتھی راج، سید مظفر بارہہ، خواص خاں بھٹی وغیرہ مذکورہ مجروحین اب اچھے ہو گئے تھے۔ شاہجہاں نے اُن کو بُلا کر خلعت ہائے فاخرہ اور بڑے بڑے انعام عطا کیے اُنکے مناصب و مراتب بھی بڑھائے۔ خواجہ ابوالحسن اور دوسرے سردار

جو متعاقب فوج کو لیے ہوئے بگلانہ میں خیمہ زن تھے وہ بھی مورد تحسین وآفرین ہوئے اُن کے مناصب میں بھی اضافہ کیا گیا۔

خان جہاں کے مقابلہ پر شاہجہاں

یکم ربیع الآخر ۱۰۳۹ھ کو شاہجہاں ایک عظیم الشان لشکر ہمراہ لے کر آگرہ سے روانہ ہوا۔ کوچ و مقام کرتا ہوا دریائے نربدا کو عبور کرکے سرحد خاندیس میں داخل ہوا اور ارادت خاں وشایستہ خاں و اعظم خاں وراجہ گج سنگھ کی سرداری میں پچاس ہزار فوج دیکر ارادت خاں کو اس کل فوج کا افسر اعلیٰ اور ذمہ دار سپہ سالار بنا کر خاں جہاں کی گرفتاری کی تاکید کی اور خود بماہ جمادی الآخر ۱۰۳۹ھ برہان پور پہنچکر قیام کیا۔ اسی دوران قیام میں برہانپور کا نام دارالسرور تجویز ہوا۔ خواجہ ابوالحسن جریدہ برہان پور میں حاضر ہوکر باریاب خدمت ہوا اُس کو بدستور خان جہاں کی گرفتاری پر مامور رکھ کر اُس کے ساتھ شاہ نواز خاں کو بھی ایک شایستہ فوج دیکر روانہ کیا گیا۔ شیر خاں گورنر گجرات کے پاس حکم بھیجا گیا کہ احمد آباد میں اپنا نائب اور قائم مقام چھوڑ کر مع لشکر گجرات ابوالحسن کی مدد کو پہنچو۔ بگلانہ کے راجہ کو فرمان بھیجا گیا کہ اپنی پوری طاقت اور تمام ذرائع کو شاہی لشکر کی امداد واعانت میں صرف کرو۔ احمد نگر کی نظام شاہی سلطنت اور شمالی ہند کی مغلیہ سلطنت کے درمیان اگرچہ

پہلے سے حالتِ جنگ قائم تھی مگر شاہجہاں کی تخت نشینی کے بعد کوئی خصوصی سرگرمی طرفین سے ظاہر نہ ہوئی تھی۔ اب خان جہاں کے اس طرف آجانے پر شمالی ہند کی فوجوں کا ٹڈی دَل دکن کی جانب متوجہ ہو گیا۔ ریاست احمد نگر نے بھی مقابلہ کی تیاری کی۔ شاہجہاں نے کالپی کے صوبہ دار عبداللہ خاں کو بھی بُلا کر اس حملہ آوری میں شریک کیا۔ تلنگانہ، خاندیس، بگلانہ تین طرف سے ریاست احمد نگر پر حملہ آوری شروع ہوئی۔ امام قلی خاں پسر جاں سپار خاں، پسر شجاعت خاں، راجہ ستر سال سنگھ برادر زادہ مان سنگھ، دیانت خاں وغیرہ نامی سردار لڑائیوں میں مارے گئے۔ گردھر داس اور بہت سے راجپوت سردار زخمدار ہوے شاہجہاں نے ریاست احمد نگر پر نہ صرف جنگی دباؤ ڈالا بلکہ امرائے احمد نگر اور رعایائے احمد نگر کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش وسازش بھی جاری رکھی۔ چنانچہ اسی دوران جنگ میں بہت سے سرداران ریاست احمد نگر آ آکر پادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بڑے بڑے مناصب اُن کو عطا کیے گئے۔ ان لوگوں میں جادو رائے (سیوا مرہٹہ کا نانا) ساہو بھونسلہ (پدر سیوا مرہٹہ داماد جادو رائے) جگدیو (جادو رائے کا سالا) پتنگ راو۔ تانوجی وغیرہ مرہٹے خاص طور پر قابل تذکرہ ہیں جن کو بڑی بڑی جاگیریں اور اعلیٰ درجہ

کے مناصب شاہجہاں نے عطا کیے۔ اسی زمانہ سے مرہٹوں کے حوصلے بلند ہوئے اور نظام شاہی حکومت کی نگاہ میں بھی اس غداری کے سبب اُن کی اہمیت بڑھ گئی۔ مسلمان سرداروں میں سادات خاں اور شرزہ خاں قابل تذکرہ ہیں جو شاہجہاں کی خدمت میں حاضر ہو کر مناصب جلیلہ پر فائز ہوئے۔ شاہجہاں کی اس تدبیر نے نہ صرف ریاست احمد نگر بلکہ خان جہاں لودی کو بھی سخت پریشان و متحیّر بنا دیا۔

جنگِ راجوری

مذکورہ غدار مرہٹوں کی تحریک اور شاہجہانی ترغیب سے مرہٹوں کی جمعیتوں نے فرنگیوں کو اپنے ساتھ...... شامل کرکے ساحل سمندر کی جانب ریاست احمد نگر کے لیے سخت مشکلات پیدا کر دیں لیکن خان جہاں نے ایک طرف شاہی لشکر کو آگے بڑھنے سے روک دیا تھا دوسری طرف وہ فرنگیوں اور مرہٹوں کے اس فتنے کو بھی فرو کر رہا تھا۔ جو شاہی فوج خان جہاں کے مقابلہ پر معرکہ آرا تھی۔ خان اعظم اُس کا سپہ سالار اعظم تھا اور یہی سب سے بڑی اور زبردست فوج تھی۔ جب اعظم خاں سے عرصۂ دراز تک کچھ نہ ہو سکا تو شاہجہاں نے اعظم خاں کی جگہ آصف خاں وزیر اعظم کو سپہ سالار بنا کر برہان پور سے

روانہ کیا۔ اعظم خاں کو بمقام مچھلی گانوں جب آصف خاں کے مامور ہونے کی خبر پہنچی تو بہت نادم و شرمندہ ہوا۔ اسی اثنا میں خبر پہنچی کہ خان جہاں لودی مرہٹہ اور فرنگی باغیوں کی سرکوبی سے فارغ ہو کر تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ مع اہل و عیال قصبۂ راجوری میں مقیم اور شاہی لشکر کی جانب سے بالکل بے خوف و مطمئن ہے۔ اعظم خاں نے اپنی ابتک کی ناکامیوں کی تلافی کے لیے اس موقع کو غنیمت سمجھکر آصف خاں کے آنے سے پہلے ہی ایک عظیم الشان جرار لشکر کے ساتھ یلغار کیا اور خان جہاں لودی کو جا گھیرا۔ اعظم خاں کے ساتھ اس یلغار میں بہادر خاں ابن دریا خاں، راجہ جے سنگھ، راجہ بیٹھلداس، سپہدار خاں، خواص خاں، سردار خاں، مرحمت خاں، اہتمام خاں داروغۂ توپ خانہ، نا ہرداس جھالہ، راجہ انوپ سنگھ، راجہ پہاڑ سنگھ بندیلہ، خان زماں، و لہراسپ پسران مہابت خاں، شیر خاں، شاہ نواز خاں، چندرمن بندیلہ، کیلوجی مرہٹہ، اچی رام مرہٹہ، جگدیو مرہٹہ، صف شکن خاں وغیرہ نامی گرامی سردار موجود تھے۔ خان جہاں لودی نے اس بلائے ناگہانی کے ورود پر عزم و استقلال کو ہاتھ سے نہیں دیا۔ عورتوں اور بچوں کو مع ساز و سامان قریبی پہاڑ کے دروں میں بھیجدیا اور خود اپنی قلیل جمعیت کو جو اُس کے

رشتہ داروں اور وفادار جاں نثاروں پر مشتمل تھی لے کر مقابلہ پر ڈٹ گیا اور شاہجہانی لشکر کو جنگ چمبل کا مزا ایک مرتبہ پھر چکھا دیا۔ اس معرکہ کی ایک خاص قابل تذکرہ بات یہ ہے کہ بہادر خاں ابن دریا خاں شاہی مقدمۃ الجیش کا سردار اور سب سے زیادہ بہادر شخص تھا دوسری طرف اُس کا باپ دریا خاں لودی خان جہاں لودی کا ہمدم و دستِ راست اور چوٹی کا سردار تھا دونوں باپ بیٹے ایک دوسرے کے جانی دشمن اور خون کے پیاسے تھے۔ خان جہاں لودی کے ایک بھتیجے کا نام بھی بہادر خاں تھا وہ اپنی بہادری اور صف شکنی میں بہادر خاں ابن دریا خاں کا حریف اور مدمقابل تھا۔ شاہی فوج نے خان جہاں لودی اور اُس کے ہمراہیوں کو چاروں طرف سے احاطہ کر لیا۔ بظاہر کوئی صورت خان جہاں کے بچنے کی باقی نہ رہی تھی۔ تیر اور تلوار اور نیزہ و خنجر کے علاوہ شاہی فوج کا ایک بڑا حصہ بندوقوں سے بھی مسلح تھا۔ خوب گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ شاہجہانی سردار بہادر خاں ابن دریا خاں تیر کے دو زخم اور تلوار کا ایک زخم کھا کر ہلاک ہوا۔ تاہر سنگھ جھالا بھی اُس کے ساتھ مارا گیا۔ ایک خونریز و شدید شمشیر زنی کے بعد شاہی لشکر میں شکست کے آثار نمودار ہوئے یعنی تمام لشکر سمٹ کر ایک

پشتہ کوہ کی طرف مجتمع ہوا اور خان جہاں جو اپنے ہمراہیوں کے ساتھ دشمنوں کے نرغہ میں مصروف حریف افگنی تھا میدان پر غالب نظر آیا۔ شاہی لشکر نے سمٹ کر اور سنبھل کر پھر حملہ کیا۔ اس مرتبہ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ تلواروں کی بجلیوں نے چاک چاک کر دلبن کوہ میں خون کے ندی نالے بہا دیے اور شجاعت افغانیہ نے شاہجہانی لشکر کے چھکے چھڑا دیے۔ اس مرتبہ بہادر خاں برادر زادہ خانجہاں لودی بہت سے زخم کھا کر میدان جنگ میں کام آیا اور دوست و دشمن دونوں کو بتا گیا کہ بہادر ایسے ہوتے ہیں اور میدان جنگ میں اس طرح جان دیا کرتے ہیں۔ خافی خاں لکھتا ہے کہ

"ہر کرا زخم کاری می رسید آرزوے زخم دیگر نمودہ قدم جرأت بقصد سربازی پیش می گذاشتند تا آنکہ بہادر خاں از طرف خصم از زخم ہاے پیاپے از پا درآمد بہادر خاں کہ از بسیاری زخم افتادہ بود چوں رمقے باقی داشت بمدد غیرت از جاے خود برخاستہ بازروے بلشکر بادشاہی دست بشمشیر بردہ حملہ ہاے مردانہ نمودہ آخر بزخم گولہ تفنگ افتاد۔ راجپوتے آمد کہ سر اور اجدا سازد جمدھر از کمر برآوردہ چناں افتادہ بر راجپوت انداخت کہ گوش او بباد داد راجپوت زخم خوردہ دست از و برداشت

سرِ اورا جدا ساختہ با انگشتریِ دست ویراں نزد اعظم خاں آورد۔"

خان جہاں لودی نے اب میدان میں دیر تک قیام مناسب نہ سمجھ کر اپنے اہل و عیال کی طرف منہ موڑا اور اُن کو ہمراہ لے کر صاف نکل گیا۔ جس ہاتھی پر عورتیں سوار تھیں وہ ایسا مریل تھا کہ چل نہ سکا مجبوراً عورتوں کو گھوڑوں پر برقع پوش سوار کرا کر روانہ ہوا۔ شاہی فوج میں اتنی ہمت نہ تھی کہ اُس کا تعاقب کر سکتی۔ شاہی لشکر کو اس لڑائی میں بہت سے آدمی اور متعدد سردار قتل کرا کر صرف اس قدر کامیابی ہوئی کہ خان جہاں کا بھتیجا بہادر خاں مارا گیا۔ بہادر خاں کی انگوٹھی اعظم خاں نے برہانپور بادشاہ کے پاس روانہ کی۔ اس انگوٹھی کے نگینے پر بہادر خاں کا نام کندہ تھا۔ یہ انگوٹھی اس بات کی زبردست دلیل تھی کہ بہادر خاں مارا گیا۔ شاہجہاں نے اس انگوٹھی کو دیکھ کر شادیانے بجوائے اور برہان پور میں چراغاں کیا گیا۔

احمد نگر کی نظام شاہی ریاست کو اگرچہ خان جہاں کے پہنچنے سے بڑی تقویت حاصل ہوگئی تھی اور خان جہاں کی پامردی و جوانمردی کا نتیجہ تھا کہ اس چھوٹی سی ریاست نے ہندوستان کے شہنشاہ شاہجہاں کا کامیاب مقابلہ کر کے اپنا رعب و وقار قائم رکھا لیکن

اب مسلسل معرکہ آرائیوں سے تنگ آکر دربار احمد نگر صلح کی جانب مائل
اور خان جہاں کو گرفتار کرکے شاہجہاں کے سپرد کرنے کی تجویز پر غور
کر رہا تھا۔ خان جہاں تک یہ خبریں پہنچ چکی تھیں لہذا وہ دکن کو
بھی اپنے لیے جائے پناہ نہ دیکھ کر اس بات پر آمادہ ہوا کہ مالوہ و
راجپوتانہ و پنجاب کے وسیع ملکوں کو چیرتا ہوا پشاور و یاغستان
کے پہاڑوں میں پہنچکر دم لے جہاں پٹھانوں کے قبائل سے اُس کو
ہمدردی و اعانت کی توقع تھی۔ خان جہاں جب حدود ریاست
احمد نگر سے نکل کر حدود خاندیس میں داخل ہوا تو شاہجہاں حواس
باختہ اور بے حد فکر مند ہوا۔ اُس نے عبد اللہ خاں، سید مظفر خاں
بارہہ، سرفراز خاں، درگاداس، مادھو سنگھ، بکہ تاز خاں وغیرہ
سرداروں کو فوجیں دیکر مامور کیا کہ دریائے نربدا کے تمام گھاٹوں کی
حفاظت کریں اور خان جہاں لودی کو دریائے نربدا عبور نہ کرنے
دیں۔ ڈو ڈو گرز بردار ہر سردار کے ساتھ محض اس کام کے لیے
مامور ہوئے کہ ایک کی خبر دوسرے کو پہنچاتے رہیں۔ اس طرح
ڈو سو گرز برداروں کو مصروف ہونا پڑا جو دلیل اس بات کی
ہے کہ مذکورہ سرداروں کی تعداد ایک سو تھی جو دریائے نربدا پر
مامور ہوئے تھے۔ خان جہاں لودی نے دریائے نربدا کو عبور

گیا اور کوئی اُسے نہ روک سکا۔ مالوہ اور راجپوتانہ کے جنگلوں ، پہاڑوں اور ریگستانوں کو طے کرتا ہوا دیپال پور تک پہنچ گیا۔ بظاہر احمد نگر اور دیپال پور معمولی الفاظ معلوم ہوتے ہیں لیکن ہندوستان کے نقشے میں احمد نگر اور دیپال پور کے مقاموں کا فاصلہ دیکھو اور یہ بھی دیکھو کہ راستے میں کون کون سے پہاڑ، دریا، اور شہر و قصبات حائل ہیں، پھر یہ بھی سوچو کہ برہان پور میں شاہجہاں بر اعظم ہندوستان کی پوری طاقت لیے ہوئے پڑا ہے اور رات دن اس فکر میں مبتلا ہے کہ خان جہاں کا کانٹا جلد از جلد چھپایا جائے۔ خان جہاں کا صرف ہزار بارہ سو تباہ حال و افسردہ خاطر پٹھانوں کی جمعیت کے ساتھ دیپال پور پہنچ جانا معجزہ سے کم نہ تھا۔ اور اگر وہ افغانستان کے پہاڑوں تک پہنچ سکتا تو بہت زیادہ ممکن تھا کہ شیر شاہ اعظم کی سلطنت پھر پٹھانوں کے قبضہ میں آجاتی اور شاہجہاں کو اپنے پردادا ہمایوں کی منزلیں ایران و ہندوستان کے درمیان طے کرنی پڑتیں۔ مگر خدائے تعالیٰ کو اس طرح نہیں، بلکہ حضرت عالمگیر علیہ الرحمہ کے ذریعہ ہندوستان میں اسلامی اثر قائم رکھنا منظور تھا۔ پنجاب و پشاور کے صوبہ دار غافل نہ تھے اور دیپال پور سے آگے بڑھکر پنجاب یا سندھ کے میدانوں میں خان جہاں کا قتل و گرفتاری سے محفوظ رہنا کسی طرح

ممکن نہ تھا۔ خان جہاں کی خبر سنتے ہی جالندھر سے پشاور
تک کی چھاؤنیوں میں حرکت پیدا ہو چکی تھی۔ لہذا خان جہاں
دیپالپور سے پھر مالوہ کی طرف متوجہ ہوا۔ سرونج پہنچ کر دو تین
روز قیام کیا۔ عبداللہ خاں صوبہ دار کالپی اور سید مظفر خاں
بارہہ سرونج کی جانب متوجہ ہوئے لیکن سرونج پہنچ کر معلوم
ہوا کہ خان جہاں لودی دو روز پہلے سرونج سے روانہ ہو چکا ہے
اور ڈوشاہی ہاتھی جو سرونج میں موجود تھے اُن کو اپنے
ہمراہ لے گیا ہے۔

دریا خاں کی شہادت

سرونج سے روانہ ہو کر خان جہاں بکرماجیت ابن
جھجھار سنگھ بندیلہ کے علاقے میں داخل ہوا تو بکرماجیت اپنا
لشکر جرار لے کر خان جہاں کی گرفتاری کے لیے چلا۔ اس جگہ
یہ بتا دینا ضروری ہے کہ خان جہاں آگرہ سے صرف دو ہزار
افغانوں کی جمعیت لے کر چلا تھا۔ ان دو ہزار افغانوں میں
سے کسی نے اُس کی رفاقت ترک نہیں کی۔ حالانکہ اُن کو کسی
جگہ بھی چین سے بیٹھنا اور سانس لینا نصیب نہیں ہوا۔ ہر روز
مصروف قتال رہنا یا سفر کرنا پڑتا تھا۔ مقابلہ بھی ہمیشہ دشمن کی

بیس گُنی یا پچیس گُنی فوج سے ہوتا تھا۔ یہ فیصلہ کرنا بہت دشوار ہے کہ خان جہاں کی قابلیت سرداری زیادہ مستحق تحسین ہے یا اُس کے دو ہزار رفیقوں کی وفاداری زیادہ مستوجب آفریں ہے۔ کم از کم یہ ضرور تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ خان جہاں ایسا لایق اور شریف سردار تھا کہ اُس کے گرد ایک دو نہیں بلکہ دو ہزار ایسے معتمد، بہادر، وفادار، جاں نثار اور انتخاب روزگار اشخاص جمع ہو گئے تھے جنھوں نے ہر قسم کی سختیاں سہنے اور بالآخر اپنی جانیں، قربان، کر دینے میں تامل نہیں کیا۔ کسی سپہ سالار اور شریف سردار کی اس سے بڑھ کر اور کوئی تعریف نہیں کی جا سکتی کہ اُس کے ماتحت اُس کے فرمانبردار، جاں نثار اور آخر دم تک وفادار تھے۔ سیکڑوں معرکہ آرائیوں کے بعد جن میں سے بعض بڑی بڑی لڑائیوں کا اوپر ذکر ہو چکا ہے خان جہاں کے پاس دو ہزار جاں فروشوں میں سے اب صرف نو سو آدمی باقی رہ گئے تھے۔ ان نو سو مصیبت زدہ مسافروں کے قافلے میں بہت سے زخمی، بیمار، عورتیں، بچے، سامان رسد، ڈیرے خیمے سب کچھ تھے۔ ایسے گرانبار قافلہ کا لوٹ لینا بکرما جیت بندیلہ کے لیے کیا مشکل تھا جو

دس پندرہ ہزار سواروں کا لشکر لے کر گھر سے نکلا تھا۔ خان جہاں نے ان نوسو آدمیوں سے بکرماجیت کا مقابلہ کرنا چاہا لیکن دریا خاں نے باصرار تمام خان جہاں کو اس بات پر رضامند کیا کہ وہ پانسو آدمیوں کے ساتھ عورتوں، بچوں اور بیماروں کو لے کر آگے نکل جائے اور دریا خاں چارسو آدمیوں کے ساتھ بندیلہ کے لشکر کو روکے۔ عورتیں اور بچے خان جہاں کے لیے وبال جان بنے ہوئے تھے اور ہر جگہ انھیں کی وجہ سے اُس کو دقتیں پیش آتی تھیں۔ اگر عورتوں اور بچوں کی رسی اُس کے گلے میں پڑی ہوئی نہ ہوتی تو غالباً ہندوستان کی تاریخ میں کوئی بڑی تبدیلی ہوگئی ہوتی۔ بہرحال خان جہاں عیال و اطفال کو لے کر آگے بڑھا اور دریا خاں نے رُک کر بکرماجیت کا مقابلہ کیا۔ یہ چارسو بہادر ایک ایک کر کے مارے گئے اور دریا خاں بھی میدان جنگ میں پیشانی پر بندوق کی گولی کھا کر مارا گیا۔ بکرماجیت نے صبح سے شام تک ان چارسو آدمیوں کو بمشکل جام شہادت پلایا اور خان جہاں کو اس ایک روزہ وقفہ کے سبب با آسانی بکرماجیت کے علاقے سے سلامت نکل جانے کا موقع مل گیا۔ بکرماجیت نے دریا خاں کا سر کاٹ کر شاہجہاں کے پاس برہان پور بھیج دیا۔ بادشاہ نے بکرماجیت کے اس عظیم الشان

کارنامے سے خوش ہو کر خلعت، جمدھر، شمشیر خاص اور نقارہ اُس کو عطا کیا۔ اُس کے منصب اور مرتبے کو بڑھایا۔ خان جہاں اور اُس کے ہمراہی پیہم سفر کرتے کرتے تنگ آ گئے تھے آخر مقام بھانڈیر کے قریب جو جھانسی سے شمال و مشرق میں ہے قیام کر کے آرام کرنا ضروری معلوم ہوا۔

جنگ بھانڈیر

خان جہاں کے اس قلیل جمعیت کے ساتھ قیام کی خبر سُن کر سید مظفر خاں بارہہ ایک لشکر عظیم کے ساتھ پہنچ گیا۔ خان جہاں کو اُس کے قریب پہنچنے کا حال ایک روز پہلے معلوم ہو چکا تھا۔ اُس نے اہل و عیال، مجروحوں اور بیماروں کو ایک منزل آگے روانہ کیا اور خود مظفر خاں کے مقابلہ پر آمادہ ہوا۔ دریا خاں کے مارے جانے کے بعد خان جہاں لودی اپنی زندگی سے بیزار اور دُنیا و مافیہا سے متنفر ہو چکا تھا۔ سید مظفر خاں سے یہ مقابلہ بہت عظیم الشان اور قابل یادگار رہا۔ اس معرکہ کی نسبت منتخب اللباب کے الفاظ یہ ہیں کہ

عجب مقابلہ و مقاتلہ رستمانہ از ہر دو طرف رو داد کہ سیدان بارہہ مقابل شمشیر افغانان کہ ہر تیغے چوں سد سکندر ثبات ورزیدہ

دادِ شرطِ نمک خواران آخر روز میداد پروانہ وار براں شعلہ کوہ زدہ جوہرِ شجاعت بر روئے کار آوردند و از افغانان نیز چپقلش ہائے مردانہ مردُر بالظہور آمد کہ ساداتِ بارہہ آفریں گفتند

چو برق از رگِ ابر بہر مصاف ۔۔۔ بروں کرد شمشیر خود از غلاف

چناں گشت دست و بغل کارزار ۔۔۔ کہ شد تیغ با جفتِ مقراض وار

خان عالم کا خویش مسمے شیرزاد در راجہ درگا داس راجپوت اس لڑائی میں خان جہاں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ خان جہاں اور اُس کے اکثر ہمراہی زخمی ہوئے۔ خان جہاں کے دو بیٹے بندوق کی گولیوں سے مارے گئے۔ خان جہاں یہاں سے کالنجر کی طرف گیا۔ اب اُس کے ہمراہ سو دو سو آدمیوں سے زیادہ نہیں رہ گئے تھے کالنجر کے قلعہ دار سید احمد نے اپنی رستمی دکھانے کا بہت اچھا موقع پایا اور خان جہاں کے بیٹے حسن خاں اور بعض زخمیوں کو گرفتار کر سکا اور اس قابل رحم قافلے سے بعض ڈیرے خیمے اور سامان رسد چھین لینے میں کامیاب ہوا۔

آخری معرکہ

خان جہاں کالنجر سے روانہ ہو کر تالاب سندرہ کے قریب پہنچا جو کالنجر کے شمال میں کین ندی کے کنارے ہے۔ چند

ہمراہی جو باقی رہ گئے تھے اُن کو قسمیں دے دے کر رخصت کرنا چاہا کہ اپنی جان سلامت لے کر جدا ہو جاؤ، مگر کسی نے جدائی گوارا نہ کی سب نے آخر وقت تک ساتھ رہنے کی قسمیں کھائیں۔ راجہ مادھو سنگھ بھی گزشتہ معرکے کے بعد سید مظفر بارہہ سے آملا تھا۔ یہ دونوں یلغار کر کے خان جہاں کے قریب پہنچ گئے۔ اب خان جہاں کے ہمراہ صرف بیس آدمی اور دو ہاتھی تھے (یہ وہی دو ہاتھی تھے جو سرونج سے ہمراہ لیے تھے) ان دونوں ہاتھیوں کو مورچہ بنا کر اول مصروف خدنگ اندازی ہوئے۔ اس کے بعد شمشیر و خنجر تک نوبت پہنچی۔ اس شیر بیشۂ شجاعت کی آخری ساعتوں کا حال مَیں اپنے الفاظ میں لکھنا نہیں چاہتا۔ خافی خاں کو خان جہاں سے مطلق ہمدردی نہیں۔ وہ خان جہاں کو بُرا کہنے اور گالیاں دینے میں ذرا باک نہیں کرتا اور اُس کی ذلّت وتباہی کا تذکرہ ہمیشہ خوش ہو ہو کر کرتا ہے۔ میں اس جگہ خافی خاں کے الفاظ نقل کرتا ہوں۔

"خان جہاں چوں شیر تیر خوردہ وزخم رسیدہ غرش کناں بہ نبرد رستمانہ پرداخت ؎

خرامیدہ شیراں گمشت آمدند ✲ نہنگاں زور یا بدشت آمدند

دراں عرصہ شورے برانگیختند ۔ کہ در چشم محشر نمک ریختند
ز برندگیہائے شمشیر کیں ۔ لب زخم بر تیغ گفت آفریں

و آں از جاں سیر آمدہ چوں گرفتہ در عرصہ کارزار ہیچ وجہ کوتاہی نہ نمودہ دادِ مردانگی میداد تا طناب عمرش بہ تیغ اجل بریدہ گشت و بہ برچھی مادھو سنگھ از پا در آورد و با وجود زخم دیگر کہ بہ پائے رسید باز بعد از افتادن خودداری نمودہ نشستہ تا دم واپسیں از دست دشمن آفریں شنیدہ در جواب محاربہ حریف کوتاہی و پہلو خالی نہ نمودہ تا رسیدن سید مظفر خاں بدستیاری حربۂ جانستاں بعالم بقا شتافت ۔ گویند شاہ قلی نام گرز بردار سر او را از تن جدا ساخت۔''

اس آخری معرکہ میں بھی خان جہاں لودی سید مظفر خاں کے ایک پوتے اور ستائیس دوسرے شاہجہانی بہادروں کو خاک و خون میں ملا کر شہید ہوا۔

شیر نر کی ڈروک سے بڑے بڑے پہلوانوں اور نوجوانوں کا پیشاب بلکہ پاخانہ بھی خطا ہو جاتا ہے ۔ شیر نر جب ہاتھی پر حملہ کرتا ہے تو ہاتھی سُرین کے بل زمین پر گر پڑتا

ہے۔ شیر نر جب غرّا کر کچھار سے اُٹھتا ہے تو ہم نے دیکھا ہے کہ بڑے بڑے بہادروں کے پاؤں کی جوتیاں ڈھیلی ہو جاتی ہیں۔ لیکن ہم نے یہ تماشا بھی اپنی آنکھ سے دیکھا ہے کہ مرے ہوئے شیر کی کھال ایک چمار اُتار رہا ہے اور اُس کی مونچھ کے بال بڑے اطمینان کے ساتھ دیا سلائی سے جلائے جا رہے ہیں اور چھوٹے چھوٹے بچے شیر نر کی دم پکڑ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ رہے ہیں اور اُس کی آنکھوں کو انگلیوں سے ٹٹول رہے ہیں۔ عقلمند ایسے نظاروں سے عبرت حاصل کرتے اور غافل بے پروائی کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔

مذکورہ دو ہزار بہادروں میں سے صرف تیس آدمی خان جہاں کے بعد زندہ بچے جو اہل و عیال .... کو لیکر بھاگے یا مختلف موقعوں پر قید ہو گئے تھے باقی سب کے سب ایک ایک کر کے خان جہاں پر پروانہ وار نثار ہوئے

خان جہاں کا سر شاہجہاں کے پاس عبد اللہ خاں لے کر پہنچا تو شاہجہاں نے عبد اللہ خاں کو فوراً ششش ہزاری منصب اور فیروز جنگ کا خطاب عطا کیا۔ خوشی کے شادیانے بجے۔ جشن برپا ہوئے۔ اور شاہجہاں کے دم میں دم

آیا۔ آخر جمادی الثانی یا شروع رجب سنہ ۱۰۴۰ھ میں خان جہاں
مارا گیا۔ خان جہاں کے کٹے ہوئے سر کو شاہجہاں نے شہر
بشہر گشت کرایا۔ ؎

سر کشتہ بہ نیزہ می زد نفس
کہ معراج مرداں ہمین است و بس

۶ ستمبر سنہ ۱۹۲۸ء — اکبر شاہ خاں۔ نجیب آباد



(کتبہ عاصی فیض الحسن بدرقم ۳۰ ۱۲/۲۸)

آئینۂ حقیقت نما (جلد دوم)

(مصنفہ اکبر شاہ خاں نجیب آبادی)

ہندوستان کے مسلمانوں پر وارد ہونے والی مصیبتوں کی فہرست بہت طویل ہے۔ قومی اتفاق مسلمانوں میں باقی نہیں رہا۔ اولوالعزمی اور بلند خیالی کی جگہ کم ہمتی اور پست خیالی ترقی پذیر ہے۔ مذہب کی طرف سے بے پروائی عام طور پر پائی جاتی ہے۔ مفید و نفع رساں علوم کا چرچا دن بدن کم ہو رہا ہے۔ مالی و اقتصادی اعتبار سے دوسری قومیں مسلمانوں کو ہر روز نیچا دکھا رہی ہیں۔ غرضکہ ہر ایک شرافت اور ہر ایک فضیلت مسلمانوں سے رخصت ہو رہی ہے جس کو دوسرے الفاظ میں کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کی قوم مہلک امراض میں مبتلا ہو کر زندگی سے دور اور مرگ سے قریب ہوتی جاتی ہے مسلمانوں کی ان مہلک بیماریوں کے اسباب میں ایک سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ مسلمان اپنی اصلی اور صحیح تاریخ سے قطعاً ناواقف بنا دیے گئے ہیں۔ سرکاری مدرسوں اور کالجوں میں تاریخ کے نام سے جو چیز طلباء کو پڑھائی جاتی ہے وہ درحقیقت اصل تاریخ سے دور و مہجور رکھنے کا ایک زبردست سامان ہے اور بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کو میدان جنگ میں نہیں بلکہ موجودہ زمانہ کی تعلیم گاہوں کے کمروں میں شکست خوردہ و مغلوب بنایا گیا ہے۔ دنیا میں کوئی قوم اپنی تاریخ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ بزرگوں اور پیشرووں کے اصلی کارناموں اور اُن کے اخلاق و معاشرت و تہذیب کی صحیح روایتوں ہی سے آنیوالی نسلوں میں علو ہمت اور رفعت حوصلہ کی روح پیدا ہو سکتی ہے۔ حسرت و افسوس کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کے مسلمان اپنی اس متاع گرانمایہ یعنی صحیح علم تاریخ سے محروم نظر آتے ہیں اس گمراہی و ظلمت کے طوفان میں مندرجۂ عنوان نام کی کتاب کا شایع ہونا ایسا ہی جیسے ریگستان کے سفر میں کسی پیاسے کو ٹھنڈا پانی ملجانا۔ اس کتاب کی پہلی جلد شایع ہو کر ملک و قوم سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہے اور

اُس کا پہلا ایڈیشن ختم ہوکر اب دوسرے ایڈیشن کے لوگ منتظر ہیں جو ابھی تک نہیں چھپ سکا۔ یہ دوسری جلد سلطان غیاث الدین تغلق۔ سلطان محمد تغلق سلطان فیروز تغلق۔ سلطان محمود تغلق۔ حملہ تیمور۔ دولت خاں لودی خضر خاں سید۔ مبارک شاہ سید۔ محمد شاہ سید۔ سلطان علاء الدین سید وغیرہ کے تفصیلی حالات پر مشتمل ہے اور ہمیں اُس زمانے کے ہندوستان کے معاشری۔ اخلاقی۔ علمی۔ تمدنی حالتوں پر خوب روشنی ڈالی گئی ہے۔ مسلمان فرمانرواؤں نے ہندو محکوموں کے ساتھ کس قسم کا سلوک کیا؟ یہ مضمون خصوصی اہتمام سے درجۂ اتمام تک پہنچا دیا گیا ہے۔ یہ دوسری جلد بجائے خود ایک مستقل کتاب ہے جو محتاج بالغیر نہیں۔ یہ ایک نہایت قابل قدر نفع رساں اور قابل مطالعہ تصنیف اور ہندوستان کی صحیح تاریخ ہے۔ کوئی بات بلا سند اور بلا حوالہ درج نہیں ہوئی۔ پرانی تاریخوں اور ہم عہد مورخوں کے اصل الفاظ جابجا نقل کیے گئے ہیں محاکمہ جا بجا نہایت بصیرت افروز کیا گیا ہے۔ نہایت اچھے سفید چکنے کاغذ پر ۲۰×۲۶ تقطیع پر چھپی ہے صفحات کی تعداد ڈھائی سو کے قریب ہے قیمت ڈیڑھ روپیہ فی جلد سے آٹھ آنہ محصول ڈاک وغیرہ شامل کرکے پورے دو روپے میں اس کا وی پی وصول ہوتا ہے۔ اس پتہ سے جلدی طلب کیجیے۔

"منیجر عبرت۔ نجیب آباد"

آئینہ حقیقت نما (جلد دوم) کے متعلق

ملک کے سیکڑوں اُردو اور انگریزی اخباروں اور رسالوں میں نہایت شاندار اور مفصل ریویوز شائع ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں بعض اخبار و رسائل جو اس وقت دفتر میں موجود مل سکے اُنہیں سے اس کتاب کی سیر کن اور طویل الذیل تنقیدوں کے اقتباس بنظر اختصار ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں تاکہ اس کتاب کی حقیقت کما حقہ سمجھ میں آسکے۔ اگر تمام ریویوز مکمل طور پر ایک جگہ نقل کیے جائیں تو ایک ضخیم کتاب بن جائے۔

منیجر عبرت۔ نجیب آباد

رسالہ نظام المشائخ دھلی

(دسمبر ۱۹۲۸ء)

آج تقریباً ہر آریہ مبلغ کی زبان سے یہ جملہ سُنا جاتا ہے کہ مسلمان بادشاہوں نے تلوار کے زور سے ہندوستان میں اسلام پھیلایا ہے لیکن وہ اس حقیقت کو بھول جاتے ہیں کہ اگر ایسا ہوتا تو آج اس داستان کو دُہرانے والا کوئی ہندو ہندوستان میں موجود نہ ہوتا۔ یہ کتاب صرف اسی مقصد سے لکھی گئی ہے کہ انتہائی تحقیق اور تدقیق کے ساتھ ہندوستان کی اسلامی حکومت کی صحیح صحیح تاریخ بلا کم و کاست لکھدی جائے۔ آئینہ حقیقت نما کوئی ایسا افسانہ نہیں ہے جو علامہ اکبر شاہ خاں نے تصنیف کر کے پیش کر دیا ہے بلکہ ایک ایسی جامع اور معتبر تاریخ ہے کہ صحت اور جامعیت کے لحاظ سے اس سے بہتر نہ کوئی کتاب موجود ہے اور نہ شاید مدتہا مدت تک آئندہ ہو سکے۔ یہ دو چار تاریخی کتابوں کے چند اقتباسات کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ اس موضوع پر ایسی مجتہدانہ تصنیف ہے کہ جسے بجا طور پر اس وقت تک کی تمام عربی فارسی اور انگریزی تاریخوں کا عطر کہا جا سکتا ہے کتاب کو پڑھکر اس بات کا اندازہ کرنا دشوار ہو جاتا ہے کہ فاضل مصنف نے کس طرح علم تاریخ کی کتابوں کے دفتر کے دفتر اس محدود عمر میں پڑھ ڈالے اور پھر پڑھے بھی سرسری نظر سے نہیں بلکہ انتہائی دقتِ نظر کے ساتھ۔ مورخین کی

ایک ایک کتاب پڑھکر ہر ایک میں سے مصنف نے ایسے ایسے گوہر ہائے آبدار چُن لیے ہیں کہ جن کی تعریف نہیں ہوسکتی اور پھر کمال یہ ہی کہ ذاتی اجتہاد اور رائے زنی سے تاحدامکان پرہیز کیا گیا ہی۔ کتاب کی ایک بڑی خوبی یہ ہی کہ ہر ایک جلد بجائے خود ایک مکمل کتاب ہے اور دوسری جلد پڑھنے کے لیے ضروری نہیں کہ پہلی جلد نظر سے گذر چکی ہو۔ ہمارا خیال ہی کہ یہ کتاب ان وقتی تصانیف میں سے نہیں ہی جن کی زندگی دو چار اشاعتوں تک محدود ہوتی ہی۔ اسے اُردو زبان کے ساتھ ساتھ شاید ہزاروں برس جینا ہی۔

اخبار توحید امرتسر

(مورخہ ۵۔ دسمبر ۱۹۲۶ء)

ہندوستان میں اسلامی عہد کے متعلق جسقدر کتابیں اُردو میں شایع ہوئی ہیں بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہی کہ ان میں "آئینۂ حقیقت نما" اپنی نظیر آپ ہی ہی انگریز مورخین نے جس شرمناک بددیانتی اور خوفناک عیاری کے ساتھ اسلامی تاریخ کو پیش کیا ہی اس سے ہندو متاثر ہوئے بغیر نہ رہے خود مسلمان نوجوان جو انگریزوں اور ان کے خوشہ چیں ہندوؤں کی تصنیفات کے رہین منت ہیں وہ بھی اسلامی عہد حکومت کے متعلق یا تو ہندوؤں اور انگریزوں کے ہم خیال ہیں یا کم از کم یہ کہ اس دور کے متعلق کوئی قابل تعریف جذبہ اپنے دلوں میں نہیں رکھتے۔ مولوی صاحب موصوف کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے کہ انھوں نے عام مورخوں کی روش سے علحدہ ہوکر روایت اور درایت کے بہترین اصول کی بنا پر تمام قدیم مورخوں کی تصنیفات سے نہایت محنت اور عرق ریزی سے اس معقولیت کے ساتھ ایک تاریخی دستاویز مرتب کی ہی کہ وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے ہندوستان کے اسلامی عہد کے متعلق پہلی شاندار تصنیف ہی جو اُردو زبان میں لکھی گئی ہی۔ اس کتاب میں سلطان محمد تغلق کے حالات زیادہ تفصیل سے دیے گئے ہیں مورخین نے سلطان موصوف کی غلط تصویر پیش کرنے میں جس قدر ظلم کاری سے کام لیا ہی اس کے متعلق حقیقت نفس الامری کو بے نقاب کرنے میں فاضل مولف کی محنتیں بے حد قابل قدر ہیں۔ الزامات کا جواب دیتے ہوئے مولوی صاحب موصوف

تاریخی حقایق اور معارف کے ایسے اہم اور لطیف مباحث ذکر کر گئے ہیں کہ انکو بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔

اخبار مہاجر دیوبند

(مورخہ ۲۱۔ دسمبر ۱۹۲۸ء)

ہم نہایت وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ مولانا اکبر شاہ خاں صاحب نے جس پاک مقصد کو پیش نظر رکھکر اس کام کو شروع کیا تھا اسمیں انہیں غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی ہے اس زمانہ کا کوئی ایک تعلیم یافتہ انسان بھی ایسا نہ ہوگا جو سلطان محمد تغلق کا نام سنتے ہی نہ چونک پڑے ہر شخص اسے انتہا سے زیادہ ظالم اور ہیبت ناک درندہ خیال کرتا ہے اس کے متعلق کسی کو بھولکر بھی انسان ہونے کا گمان نہیں ہوتا لیکن واللہ! مولانا اکبر شاہ خاں صاحب کی اس تصنیف کا یہ اہم حصہ پڑھکر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنکھوں کے سامنے سے پردے ہٹتے چلے جارہے ہیں اور سلطان محمد تغلق اپنے اصلی خط و خال اور غیر مشتبہ صورت میں کھڑا ہے۔ مولانا اکبر شاہ خاں صاحب نے جس قابلیت اور جس انداز کے ساتھ اس مظلوم سلطان کے حالات سے بحث کی ہے اس نے درحقیقت فن تاریخ نویسی میں ایک نئے باب کا اضافہ کردیا ہے۔ اسی ضمن میں سلطان محمد تغلق کے زمانہ کے علما اور صوفیا کے حالات بھی نہایت دلچسپ انداز میں تحریر کر دیے گئے ہیں مسلمانوں کے ساتھ مغلوں کی صفائی اور معاملات کے عجیب و غریب حالات پر بھی ایک مختصر تبصرہ ہے۔ سلطان فیروز تغلق کے حالات میں بتایا گیا ہے کہ اس نے کس طرح ہندو یتیموں اور مسکینوں کی تعلیم و تربیت کی اور ان محسن کش احسان فراموش ہندوؤں نے اپنی ناپاک ریشہ دوانیوں سے کس طرح تغلق حکومت کو تباہ و برباد کیا۔ مصنف نے ہر جگہ اس چیز کو پیش نظر رکھا ہے کہ مسلمان بادشاہوں اور ہندوؤں کے تعلقات کیسے تھے اور ہندو اُن کی مراعات و عنایات کا بدلہ کس طرح دیتے تھے قیمت صرف عہ ہے جو اس کتاب کے محاسن کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔ ہمارے خیال میں اس کتاب کا ایک ایک نسخہ نہ صرف ہر مسلمان کے گھر میں ہونا ضروری ہے بلکہ کسی تعلیم یافتہ ہندو کا گھر بھی اس

بے نظیر محققانہ کتاب سے خالی نہ ہونا چاہیے۔

اخبار الجمعیۃ دہلی

(مورخہ ۱۳۔ دسمبر سنہ ۲۸ ۱۹ء)

ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی کوئی ایسی تاریخ نہیں لکھی گئی تھی جو ملکی زبان میں ہونے کے علاوہ تاریخی تحقیقات کے جدید اصولوں پر مبنی ہو اور جس میں صحیح ترین شہادتوں پر حصر کیا گیا ہو اس کمی کو جس کوشش کے ساتھ مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی پورا کر رہے ہیں وہ ان تمام مسلمانوں اور غیر مسلموں کے شکریہ کی مستحق ہے جن میں تاریخ کا صحیح مذاق ہے اور جو یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ تاریخ من گھڑت افسانوں کا مجموعہ ہونے کے بجائے ایسے حقیقی واقعات کا مجموعہ ہو جو نہایت حزم و احتیاط کے ساتھ تلاش و جستجو کے بعد جمع کیے گئے ہیں۔ فاضل مصنف نے کتاب کا بہت بڑا حصہ محمد تغلق کے حالات پر صرف کیا ہے اور ایسا کرنے میں وہ یقیناً حق بجانب تھے کیونکہ بقول اُن کے "یہ مسلمان بادشاہ سب سے زیادہ مظلوم ہے" اسلامی تاریخ پر یہ ان کا ایک احسان عظیم ہے۔ اس جلد میں ملا محمد قاسم فرشتہ۔ خواجہ نظام الدین احمد ابن بطوطہ۔ ملا عبد القادر بدایونی شمس سراج عفیف کی کتب تواریخ کے علاوہ تاریخ فیروز شاہی۔ تاریخ مبارک شاہی۔ ریاض السلاطین۔ مراۃ سکندری کے حوالے جابجا موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے کسقدر عرق ریزی کے بعد فارسی تاریخوں سے مواد جمع کیا ہے جو اس عہد کی معتبر ترین کتابیں ہوسکتی ہیں۔

اخبار پیغام صلح لاہور

(۲۰۔ نومبر سنہ ۲۸ ۱۹ء)

حقیقت یہ ہے کہ مولانا اکبر شاہ خاں نے اس کتاب کے ذریعہ سے علم تاریخ میں نہایت بیش قیمت معلومات کا اضافہ کیا ہے جس کے لیے مسلمانان ہند جس قدر بھی ان کے مشکور ہوں تھوڑا ہے۔ مولانا کو علم تاریخ میں ایک خاص ملکہ حاصل ہے یہ کتاب اس قابلیت کا بہترین نمونہ ہے۔ جس محنت اور تحقیق و تدقیق کے ساتھ پرانی

تاریخوں سے ضروری مواد اکھٹا کیا ہے اور روایت کو درایت کی عینک سے پڑھکر حق کو باطل سے علیحدہ کرنے کی کوشش کی ہے وہ انھیں کا حصہ ہے جو نظریہ مصنف نے کسی امر کے متعلق پیش کیا ہے اسے مستند تاریخی حوالوں سے پایۂ ثبوت تک پہنچا دیا ہے۔ شروع کتاب میں سلطان محمد تغلق کے حالات میں تاریخ فیروز شاہی کے مصنف ضیائی برنی کے بعض مخدوش بیانات پر مصنف کو بہت کچھ لکھنا پڑا ہے جو پیش نظر امور کو ثابت کرنے کے لیے نہایت ضروری تھا۔ یہ کتاب اس قابل ہے کہ مسلمانوں کا بچہ بچہ اس سے واقف ہو اور ہند و اہل وطن تک اسے کثیر تعداد میں پہنچایا جائے ہمارے خیال میں اسلامیہ مدارس کی ثانوی جماعتوں میں اس کتاب کو بطور نصاب تعلیم شامل کرنا چاہیے اور ذی استطاعت اصحاب کو اس کی متعدد کاپیاں خریدکر ہند و اہل وطن تک پہنچانی چاہئیں۔

روزنامہ سیاست

(مورخہ ۲۲۔ نومبر سنہ ۱۹۲۸ء)

مولانا اکبرشاہ خاں صاحب نجیب آبادی محسنان ملک و ملت کے اس برگزیدہ گروہ میں سے ہیں جنکی تمام زندگی تصنیف و تالیف میں گزری اور جن کے زور قلم نے اپنے اور بیگانے سے خراج تحسین وصول کیا خانصاحب کا طرز بیان نہایت سادہ اور دلکش ہے اور آپ کے طرز تحریر میں بے ساختگی کا وہ عالم ہے کہ بایدوشاید جو کچھ لکھتے ہیں مطالعہ کثیر کے بعد لکھتے ہیں تاریخ اسلام کو آپ نے اپنے خاص مطالعہ کے لیے مخصوص کیا ہے۔ اس زمانہ میں کہ ہر کس و ناکس ہند و مسلمانوں میں تفاوت پیدا کرنے کے لیے اسلامی حکمرانان ہند کے مذہب۔ انکی معاشرت انکی عدالت۔ انکی رواداری اور انکی مرحومہ بیگمات اور ماؤں بہنوں کی عفت و عصمت پر بھی حملے کرنے سے نہیں چوکتا۔ ہاں ایسے ارتداد و اتحاد کے زمانہ میں اس شیر دل بزرگ نے آئینۂ حقیقت نما لکھکر ایک ایسی ڈھال تیار کردی ہے جس کو کذب کی برچھیاں۔ جھوٹ کی تلواریں اور افترا کی توپیں توڑ نہیں سکتیں۔ اس آئینہ میں مسلمانان حکمرانان ہند کی

اصلی اور سچی تصویریں نظر آتی ہیں اور اس شیشہ کو بدگوئی کی بدگوئی دھندلا نہیں کر سکتی۔
اس جلد ثانی میں سلطان غیاث الدین تغلق سے لیکر سلطان سید علاء الدین تک کے حالات بیان کر دیے گئے ہیں کتاب کیا ہے اس زمانہ کی جامع و مانع اور نذر و جواہر سے تولنے کے قابل تاریخ ہے۔ یہ پہلی جلد سے مستغنی اور بجائے خود مکمل کتاب ہے۔

خواص خاں ولی

ہندوستان کے مشہور شہنشاہ شیر شاہ اعظم کے نامور سپہ سالار اور ہندوستان کے مایۂ ناز فرزند خواص خاں ولی کی سوانح عمری مصنفہ مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی زیر طبع ہے اور بہت جلد بصیرت افروز ناظرین ہونے والی ہے۔
قیمت غالباً پانچ چھ آنہ ہوگی۔ خریداری کی درخواستیں فوراً بھیجدیجئے۔

پردہ پر ایک نظر

پردہ کے موضوع پر آج کل خوب بحث ہو رہی ہے۔ مخالف و موافق اپنے اپنے دلائل سے اپنے مدعا کو ثابت کرنے کی پوری کوشش کر رہے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ مسئلہ کے مالہ و ما علیہ پر اس وقت تک کچھ نہیں لکھا گیا۔ حال میں مولانا اکبر شاہ خاں صاحب مصنف حجۃ الاسلام وغیرہ نے اپنے مخصوص انداز میں ایک رسالہ اس موضوع پر لکھا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ فیصلہ کن بحث کی ہے۔ اس رسالہ کا مطالعہ پردہ کی بحث کا خاتمہ کر دیگا۔ اور ہر شخص مولانا کے صحیح فیصلہ کو تسلیم کر لیگا۔ قابل دید چیز ہے۔ قیمت صرف ۳ر

منیجر عبرت۔ نجیب آباد

آفتاب برقی پریس امرتسر میں باہتمام شیخ محمد اسمٰعیل پرنٹر طبع ہوا۔